جامعہ مدنیہ جدید کا ترجمان

ستمبر 2004ء

علمی دینی اور اصلاحی مجلہ

انوارِ مدینہ لاہور

اللہ رے یہ وسعتِ آثارِ مدینہ
عالم میں ہیں پھیلے ہوئے انوارِ مدینہ

نفیسؔ

بیاد

عالم ربانی محدث کبیر حضرۃ مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ

بانی جامعہ مدنیہ جدید

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ

انوار مدینہ

جلد : ۱۲ رجب المرجب ۱۴۲۵ - ستمبر ۲۰۰۴ شمارہ : ۹

مدیر اعلیٰ

سید محمود میاں

مہتمم جامعہ مدنیہ (جدید) رائیونڈ روڈ لاہور

بدلِ اشتراک

پاکستان فی پرچہ ۱۳ روپے.......... سالانہ ۱۵۰ روپے

سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، دبئی.... سالانہ ۵۰ ریال

بھارت، بنگلہ دیش.......... سالانہ ۶ امریکی ڈالر

امریکہ، افریقہ.......... سالانہ ۱۶ ڈالر

برطانیہ.......... سالانہ ۲۰ ڈالر

جامعہ مدنیہ جدید کا ای میل ایڈریس

E-mail: jmj786_56@hotmail.com

ترسیلِ زر و رابطہ کے لیے

دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک راوی روڈ لاہور

فون نمبرات

جامعہ مدنیہ جدید : 092 - 42 - 5330311

خانقاہ حامدیہ : 092 - 42 - 5330310

فون/فیکس : 092 - 42 - 7703662

رہائش "بیت الحمد" : 092 - 42 - 7726702

موبائل : 092- 333 - 4249301

مولانا سید رشید میاں صاحب طابع و ناشر نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر

دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ" نزد جامعہ مدنیہ کریم پارک راوی روڈ لاہور سے شائع کیا

اس شمارے میں

حرفِ آغاز		۳
درسِ حدیث	حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحبؒ	۵
حضرت حاجی سید محمد عابد صاحبؒ	حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحبؒ	۱۰
حضرت مولانا مفتی عبدالحمید صاحبؒ	جناب پروفیسر میاں محمد افضل صاحب	۱۸
اسراء و معراج	حضرت علامہ مولانا شمس الحق صاحبؒ	۲۳
شبِ معراج	احسان دانش	۳۰
دُعائے مشائخ در شبِ براءت		۳۲
شبِ براءت...فضائل و مسائل	حضرت مولانا نعیم الدین صاحب	۳۴
اقبال کے آئینۂ گفتار میں	مولانا ڈاکٹر عبدالرحمٰن ساجد الاعظمی صاحب	۳۹
دعاء کی افادیت و اہمیت	حضرت مولانا محمد اجمل خان صاحبؒ	۵۰
حضور ﷺ کے اخلاق و عادات	حضرت مولانا محمد میاں صاحبؒ	۴۸
دینی مسائل		۵۷

❀❀❀

جامعہ مدنیہ جدید کے دفتر حسابات میں تجربہ کار دیانتدار اور متشرع محاسب (Accountant) کی ضرورت ہے۔ خواہشمند حضرات دفتر اہتمام سے رجوع فرمائیں۔ (ادارہ)

❀❀❀

O اس دائرے میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ ماہ.................. سے آپ کی مدتِ خریداری ختم ہوگئی ہے، آئندہ رسالہ جاری رکھنے کے لیے مبلغ ....روپے ارسال فرمائیں۔

❀❀❀

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

سیّد محمود میاں

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم امابعد !

چند برسوں سے حکومتوں کی جانب سے مدارس کے خلاف بے بنیاد الزام تراشیوں کا جو سلسلہ جاری تھا، اب چند ماہ سے چھاپوں کی شکل میں عملی صورت اختیار کرتا چلا جا رہا ہے۔ ملک کے مختلف شہروں کے دینی مدارس پر چھاپوں کے دوران فوجی حکمرانوں کو اللہ کے فضل سے بجز ناکامی کے کچھ ہاتھ نہیں آیا۔ اس کے باوجود فوجی حکمران اُن پر دہشت گردی کے بے بنیاد الزامات لگاتے چلے جارہے ہیں۔ حال ہی میں فیصل آباد کے ایک مدرسہ سے وہاں کے مدرس قاری نور محمد صاحب کو پولیس بلا کسی جواز کے اُٹھالے گئی اور اُن پر اتنا تشدد کیا کہ وہ جامِ شہادت نوش کرگئے۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون . اخباری رپورٹ کے مطابق اُن کے جسم پر تشدد کے ۲۸۰ نشانات پائے گئے۔ حکمرانوں کے زیرِ سایہ ریاستی دہشت گردی کی یہ بدترین مثال ہے پورا ملک پولیس گردی کی لپیٹ میں آیا ہوا ہے اور مظلوم کو دہشت گرد قرار دے کر اس پر ظلم کے پہاڑ ڈھائے جارہے ہیں۔ اسلام آباد کے دینی مدارس کے خلاف بھی حکمران گزشتہ ایک، دو ماہ سے خاصے سرگرم ہیں، آئے دن مدارس پر چھاپہ مار کارروائیاں عروج پر ہیں۔ حد تو یہ کہ دینی طالبات کے مدرسہ پر چھاپہ مارا گیا اور دور دراز سے دینی علوم حاصل کرنے کے لیے آنے والی پُر امن طالبات کو بھی دہشت زدہ کیا گیا۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ سب کچھ کس لیے اور کس کے ایماء پر کیا جارہا ہے؟ اور جبکہ ان ناکام چھاپہ مار کارروائیوں میں حکومت کو کچھ ہاتھ بھی نہیں لگتا مگر پھر اس سلسلہ کو ختم کرنے کے بجائے پوری شدت سے جاری رکھنا ملک کے ہر سنجیدہ طبقہ کے لیے تشویش میں مزید اضافہ ہی کررہا ہے، جس سے ملک میں افراتفری پھیل رہی ہے۔

ہر شخص ملک کے لیے دینی مدارس کی خدمات سے خوب آگاہ ہے اُن کا کردار آئینہ کی مانند شفاف ان کے فضلاء ملکی تعمیر و ترقی میں ہمیشہ سرگرم رہے ہیں۔ دینی، اخلاقی، رُوحانی، سیاسی، جہادی غرض ہر میدان میں انہوں نے عوام کی بے لوث راہنمائی کی ہے اور کررہے ہیں اور اُن کی اِن خدمات کا اعتراف ہر کھلی آنکھ والا شخص کررہا ہے۔

جس درجہ میں بھی آج اسلام زندہ ہے تو وہ اِنہی کے طفیل ہے اسی لیے اسلام کے ازلی دشمن یہود و نصارٰی اِن مدارس اور علماء کے بدترین دشمن ہیں، وہی اِن کو دہشت گرد قرار دیتے رہے ہیں اور دے رہے ہیں۔ بدقسمتی یہ ہے کہ یہود و نصارٰی سے مرعوب ہمارے حکمران بھی اپنے اقتدار کو بچانے کے لیے اِنہی کی زبان بول رہے ہیں اور مسطورہ بالا ظالمانہ کارروائیاں انہی کی خوشنودی اور اشاروں پر انجام دیئے چلے جارہے ہیں۔

مذہب سے محبت رکھنے والا ہر شخص یہ جانتا ہے بلکہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ مدارس اور اُن کے فضلاء کا وجود دنیا کے لیے باعث رحمت ہے ان کا ناپید ہوجانا اللہ تعالیٰ کے غصہ اور قہر کی علامت ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی خطہ سے خیر کو ختم کرنے کا اِرادہ فرماتے ہیں تو اِن نعمتوں کو اس خطہ سے سلب فرمالیتے ہیں۔ حکمرانوں کو چاہیے کہ وہ اللہ کے قہر سے ڈریں اور ان مدارس اور علماء حق کے خلاف اپنی کارروائیوں کو فی الفور بند کریں اور اپنے دلوں کو بھی ان کی طرف سے صاف کریں کیونکہ یہ امن کے گہوارے ہیں۔

مسلم شریف میں ایک حدیث ہے جس کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت فرمایا ہے اس میں یہ بھی آتا ہے کہ جس جگہ پر لوگ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور اُس کو آپس میں پڑھتے پڑھاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اُن پر سکینہ نازل فرماتے ہیں اور اُن کو رحمت ڈھانپ لیتی ہے اور (رحمت کے) فرشتے اُن کے گرد جمع ہوجاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اُن کا تذکرہ ملأ اعلیٰ میں فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اہلِ حق کے مدارس کی حفاظت فرمائے اور اپنی غیبی مدد و نصرت اُن کے شاملِ حال فرمائے۔ یہود و نصارٰی اور اُن کا ساتھ دینے والے حکمرانوں کو اللہ تعالیٰ مغلوب و مقہور فرمائے اور ہمیں ان مدارس کی مدد اور قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

محمود

مولای صل وسلم دائما ابدا علی حبیبک خیر الخلق کلھم

درس حدیث

حضرت اقدس پیرو مرشد مولانا سید حامد میاں صاحب رحمۃ اللہ کے مجلسِ ذکر کے بعد درسِ حدیث کا سلسلہ وار بیان ''خانقاہِ حامدیہ چشتیہ'' رائیونڈ روڈ لاہور کے زیرِ انتظام ماہ نامہ ''انوارِ مدینہ'' کے ذریعہ ہر ماہ حضرت اقدسؒ کے مریدین اور عام مسلمانوں تک باقاعدہ پہنچایا جاتا ہے اللہ تعالیٰ حضرت اقدسؒ کے اِس فیض کو تاقیامت جاری و مقبول فرمائے۔(آمین)

حضرت حذیفہؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کی فضیلت، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ فتنوں میں گھرے رہے مگر وہ حق پر تھے، حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی غربت حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے یزید کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی تھی

تخریج وتزئین : مولانا سیّد محمود میاں صاحب

کیسٹ نمبر ۴۴ سائیڈ بی/ ۸۵-۳-۸

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی خیر خلقه سیّدنا ومولانا محمد وآلہٖ واصحابه اجمعین امابعد !

وعن حذیفةؓ قال قالوا یا رسول اللّٰہ لَوِ اسۡتَخۡلَفۡتَ قَالَ اِنِ اسۡتَخۡلفتُ علیکم فَعَصَیۡتُمُوۡہُ عُذِّبۡتُمۡ ولکن ما حدَّثکم حذیفةُ فَصَدِّقُوۡہ وما اَقۡرَاَ کُمۡ عبداللّٰہ فَاقۡرَؤُہ رواه الترمذی (مشکوۃ شریف ص ۵۷۹)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ اگر آپ خلیفہ مقرر فرمادیتے اپنے بعد تو اچھا ہوتا تو ارشاد فرمایا کہ اگر میں تم پر کوئی خلیفہ مقرر کردوں اور تم اُس کی نافرمانی کرو تو تم عذاب دیے جاؤ گے لیکن جو حذیفہ تم کو بتلائیں تو اُن کی تصدیق کرنا صحیح سمجھنا اور جو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تم کو پڑھائیں وہ پڑھنا۔ ان دو حضرات کے بارے میں جناب رسول اللہ ﷺ نے بتلایا ہے۔ اب حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ جو تھے وہ ''صاحبِ سِرّ رسول اللّٰہ'' شمار ہوتے تھے یعنی رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے بہت سی باتیں ان سے کررکھی تھیں جو دوسروں کو معلوم نہیں تھیں، تو یہ ''صاحبِ سِرّ'' کہلاتے تھے راز دار یا راز داں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ان سے ایک دفعہ پوچھا باقی ویسے

پوچھتے ہوں گے کہ کیا چیزیں پیدا ہونے والی ہیں، آگے کو پیش آنے والی ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے بتلائی ہیں فتنے کی قسم کی آزمائش کی قسم کی۔

حضرت عمرؓ ...... فتنوں کے آگے دیوار :

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ جواب دیا تھا کہ کوئی بات نہیں ہے یعنی جب تک آپ ہیں کوئی فتنہ ہوگا نہیں پیدا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں دوسرے صحابہ کرام جانتے تھے اور یہ خود بھی بتلاتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ سے میں یہ سوال کرتا رہتا تھا کہ کیا چیزیں پیش آنے والی ہیں ایسی کہ جن میں فتنے میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو اور کون کون ایسے لوگ یا فرقے پیدا ہونے والے ہیں کہ جو سبب ہوں گے فتنوں کا، تو رسول اللہ ﷺ اِن کو بتلا دیا کرتے تھے۔

حضرت حذیفہؓ کی تصدیق کرنے کا حکم :

تو اس لیے آپ ﷺ نے یہاں بھی فرمایا ہے کہ جو حذیفہؓ تم سے کہیں اُن کی تصدیق کرنا۔

اپنا خلیفہ نامزد نہ کرنے کی وجہ :

اور میں خلیفہ نامزد اس لیے نہیں کرتا کہ اگر میں نے خلیفہ نامزد کر دیا اور تم نے اُس کی اطاعت نہ کی تو عذاب نازل ہوگا ہاں بس اللہ تعالیٰ کی طرف سے خود ہی ایسا انتظام ہو جائے گا کہ یہ حکومت چلتی رہے اور برابر اسلام کو ترقی ہوتی رہے، اس طرح سے ہوا بھی۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی بھی فضیلت ہے اس میں کہ آپ نے فرمایا کہ جو وہ پڑھائیں وہ پڑھو یعنی قرآن پاک کے بارے میں اُن پر اطمینان کا اظہار فرمایا۔

حضرت محمد ابن مسلمہؓ کی فضیلت :

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں **ما احد من الناس تدرکه الفتنة الا انا اخافها علیه** کوئی آدمی ایسا جو فتنہ میں مبتلا ہو جائے یعنی ایسی چیز کہ جس کے اندر صحیح سمجھ میں نہ آتا ہو انسان کو کہ راستہ کدھر ہے اور صحیح چیز کیا ہے؟ اس کو فتنہ کہا جاتا ہے تو یہ فرماتے ہیں میں لوگوں میں دیکھتا ہوں کوئی آدمی بھی اگر کسی فتنے میں مبتلا ہوتا ہے تو میں اس کے بارے میں سمجھتا ہوں اور اندیشہ رکھتا ہوں کہ یہ فتنے میں مبتلا ہوگا سوائے حضرت محمد ابن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے، یہ ایک صحابی ایسے ہیں کہ جن کے بارے میں مجھے یہ اطمینان ہے اور علم ہے کہ یہ کسی فتنے میں مبتلا نہیں ہوں گے۔ کیوں؟ اس واسطے کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا آپ نے فرمایا محمد ابن مسلمہؓ سے کہ لَا تَضُرُّکَ الْفِتنَةُ تمہیں کوئی فتنہ

نقصان نہیں پہنچائے گا۔کوئی بھی چیز ایسی پیش آجائے پیچیدگیوں والے مسائل پیش آجائیں تو تم اس میں غلطی میں پڑ جاؤ ایسا نہیں ہوگا تم بچے رہو گے۔تو محمد ابن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں میں جانتا ہوں کہ وہ فتنوں میں مبتلا نہیں ہوں گے۔ ورنہ فتنوں میں بڑے بڑے لوگ مبتلا ہوئے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی فتنے کا لفظ استعمال کیا گیا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی فتنے کا لفظ استعمال کیا گیا ہے یعنی آزمائش میں پڑ گئے یہ مطلب نہیں کہ وہ غلطی پر تھے بلکہ ایسا دور آگیا کہ اُن کے بارے میں رائے لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتی تھی پوری طرح، حالانکہ وہ صحیح راستہ پر ہی تھے وہ حق پر تھے اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہ تمہیں شہادت ملے گی لیکن ایک آزمائش سے گزر کر تو آزمائش اور فتنہ کے چند سال درمیان میں گزرے پھر محاصرہ رہا پھر شہادت ہوئی ان کی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے گھر میں چراغ جلا ہوا ہے، اُس دور میں صحابہ کرام کی تو اتنی گنجائش ہوتی نہیں تھی کہ وہ چراغ جلائیں اُن کا حال تو عجیب تھا کہ ایسے لوگ تھے صحابہ کرام میں کہ جنہیں ایک ہی کپڑا میسر آتا تھا وہی اوڑھنا وہی باندھنا بس اور ایسے بھی کرتے تھے کہ لمبی چادر ہوتی تو اس کو اس طرح باندھ لیتے تھے کہ پیچھے گدی پر دونوں گرہیں آجائیں ایسے اور ایسے، اب وہ نچلے حصہ کا بھی پردہ ہو گیا اُوپر کے حصہ کا بھی پردہ ہو گیا۔

ایک خاتون کی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں نکاح کی پیش کش :

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک عورت آئیں اور انھوں نے کہا کہ میں جناب کو اپنے آپ کو ہدیۃً پیش کرنا چاہتی ہوں یعنی نکاح کے لیے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے لیے تو نہیں انہیں پسند فرمایا منظور نہیں فرمایا، یہی فرمایا کہ مجھے ضرورت نہیں ہے شادی کی مزید۔ تو وہ بیٹھی رہیں، ایک اور صحابی تھے انھوں نے کہا کہ جناب کو ضرورت نہیں تو میرے سے کر دیجئے اِن کی شادی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی غربت :

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے پاس مہر وغیرہ کے لیے کوئی چیز ہو تو وہ لے آؤ۔ انھوں نے کہا میرے پاس تو کوئی چیز نہیں، کہاں لاؤ۔ چکر کاٹ کر آگئے نہ اپنے پاس تھی نہ دوستوں کے پاس تھی پھر اسی طرح سے فرمایا کہ جاؤ چاہے لوہے کی انگوٹھی لے آؤ۔ اب لوہے کی انگوٹھی چھلّہ کوئی چیز ہی نہیں تھی وہ گھوم کر آگئے اور انھوں نے کہا میرے پاس تو ملا ہی نہیں۔ بس یہی میرے پاس ازار (کا کپڑا) ہے اُوپر کی چادر بھی نہیں ہے تو یہ ہو سکتا ہے آدھا ازار میں دے دوں اس کو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر وہ استعمال کرے گی تو تم کیا کرو گے اور تم استعمال کرو گے تو پھر اُسے کیسے دو گے۔ بیٹھے

رہے خاموش پھر جانے لگے جب کافی دیر ہوگئی، وقت گزرا ہوگا۔ جب جاتے ہوئے دیکھا تو بلایا آپ نے، بلاکر پوچھا تمہیں قرآن پاک یاد ہے وہ اس میں ہوشیار تھے، کمائی میں ہوشیار نہیں تھے جتنا دین سیکھنے میں ہوشیار تھے۔ انھوں نے کہا جی مجھے یہ بھی یاد ہے وہ بھی یاد ہے۔ کہا کہ یاد ہے بالکل یعنی زبانی، تو انھوں نے کہا بالکل زبانی یاد ہے گویا تقرأ بالغیب تو پھر رسول اللہ ﷺ نے اُن سے اِن کی شادی کردی بِمَا مَعَکَ مِنَ الْقُرْآن یعنی جو قرآن تم جانتے ہو اس کی وجہ سے یعنی ایک علمیت کی وجہ سے شادی کردی آپ نے اس عورت کی ان صحابی کے ساتھ۔ تو مہر اس وقت دینے کے واسطے کچھ بھی نہیں تھا۔

بعد میں فراخی آگئی :

بعد میں تو پھر کوئی حد نہیں رہی جتنا آیا ہے وہ تو قیاس نہیں ہوتا تھا کہ اِتنا آسکے گا خیال میں بھی نہیں تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے بتلا ضرور دیا تھا لیکن وہ تصور سے باہر تھا کہ دونوں سُپر پاور ختم ہوجائیں اور ان کی جگہ مسلمان آجائیں۔ جبکہ فی الحال مسلمان ایسی حالت میں ہیں کہ ان کو ایک کپڑا میسر ہو صرف وہی نیچے بھی وہی اُوپر بھی وہی اِزار وہی کساء اور رِداء چادر بھی وہی اور وہی نیچے باندھنے کی لنگی بھی، دونوں کا کام ایک ہی کپڑے سے لیتا ہو کوئی اور اس سے کہا جائے کہ تجھے ایسی حکومت ملے گی کہ ساری دنیا پر تو چھا جائے گا تو وہ تو ایمان ہی ایسی چیز ہے کہ جس کی وجہ سے یقین آجائے ورنہ حالات تو ایسے نہیں تھے۔ اُس وقت صحابہ کرامؓ کے پاس اتنا ہو کہ وہ چراغ بھی جلائیں تو یہ تو ذرا مشکل ہی تھا اور رات کو چراغ کا دستور بھی نہیں تھا بس عشاء تک جاگتے رہیں اور عشاء کے بعد سو جائیں یہی حکم تھا۔ عشاء آپ ذرا دیر سے پڑھتے تھے۔ تو آپ نے دیکھا کہ چراغ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے گھر میں جلا ہوا ہے اُس کی روشنی محسوس ہو رہی ہے دریافت فرمایا کہ عائشہؓ یہ چراغ جو جل رہا ہے اس کا مطلب تو یہ سمجھ میں آتا ہے کہ شاید اسماء رضی اللہ عنہا کے ہاں ولادت ہوگئی ہوگی۔ حضرتِ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑی بہن ہیں سوتیلی، ان کے ہاں شاید ولادت ہوئی ہے تو معلومات کیں تو پتہ چلا کہ واقعی ولادت ہوئی ہے بچہ ہوا ہے۔

اس بچے کی فضیلت :

تو آپ نے فرمایا وَلَا تُسَمُّوْہ حتی اُسَمِّی نام خود نہ رکھنا میں تجویز کروں گا، تو آپ نے ان کا نام عبداللہ خود تجویز فرمایا اور حَنَّکَہٗ بِتَمْرَۃٍ بِیَدِہٖ رسول اللہ ﷺ کے دستِ مبارک میں ایک کھجور تھی وہ کھجور آپ نے چبا کر اِن کے تالو میں لگائی تو سب سے پہلے ان کے پیٹ میں جو چیز داخل ہوئی وہ جناب رسول اللہ ﷺ کا لعابِ دہن مبارک تھا اور آپ نے ہی ان کا نام بھی رکھا۔

انہوں نے یزید کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی تھی :

انھوں نے یزید کے ہاتھ پر بیعت کی ہی نہیں اور بجائے اس کے کہ بیعت کریں مکہ مکرمہ چلے گئے اور وہاں پناہ پکڑے رہے اور مکہ مکرمہ میں رہتے رہے حتی کہ یزید کا انتقال ہوا۔

یزید کی موت کے بعد اِن کی حکومت ساری دنیا پر قائم ہوگئی تھی :

جب یزید کی موت ہوئی تو پھر اس کے بعد ان کی حکومت قائم ہوگئی اور وہ ساری دنیا پر چھا گئے حتی کہ شام وغیرہ میں بھی بنواُمیہ کی حکومت ختم ہوگئی جو ان کا دار الخلافہ تھا بس یہ رہ گئے، پھر فلسطین کے علاقہ میں ایک جگہ سے جتنے بنواُمیہ تھے وہ جمع کردیئے گئے وہاں سے پھر اُبھرنے شروع ہوئے ہیں۔ مروان اور پھر مروان کا بیٹا عبدالملک بن مروان اور عبدالملک کا جنرل حجاج ابن یوسف۔ ان لوگوں نے پھر دوبارہ از سرِ نو حکومت اپنی قائم کی ہے ورنہ روئے زمین سے بنواُمیہ کی حکومت ختم ہوگئی تھی اور عبداللہ ابن زبیرؓ کی حکومت اس دور میں گیارہ سال رہی ہے تو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے بھی بہت فضائل ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو آخرت میں ان کا ساتھ نصیب فرمائے۔ آمین۔ اختتامی دعاء.........

نفیس بک بائنڈرز

ہمارے یہاں ''ڈائی دار اور لیمینیشن والی جلد'' بنانے کا کام انتہائی معیاری طور پر کیا جاتا ہے نیز قرآن مجید کی اعلیٰ قسم کی ''بکس والی جلد'' بھی خوبصورت انداز میں بنائی جاتی ہے۔ ہمارے یہاں رَوٹا مشین پر ''کلر پرنٹنگ'' (ٹائٹل وغیرہ کی چھپائی) کا کام بھی دیدہ زیب اور بازار سے رعایتی نرخ پر کیا جاتا ہے۔

مناسب نرخ پر معیاری جلد سازی اور طباعت کے لیے رجوع فرمائیں

6/ 16 ٹیپ روڈ نزد مین گیٹ گھوڑا ہسپتال لاہور

پروپرائیٹر : محمد سلیم و محمد ندیم

موبائل نمبر : 0300-9464017 , 0300-4293479

فون نمبر : 042-7322408

سلسلہ نمبر۶ قسط : ۹

''الحامد ٹرسٹ'' نزد جامعہ مدنیہ جدید رائے ونڈ روڈ لاہور کی جانب سے شیخ المشائخ محدثِ کبیر حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اہم خطوط اور مضامین کو سلسلہ وار شائع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے جو تاحال طبع نہیں ہو سکے جبکہ ان کی نوع بنوع خصوصیات اس بات کی متقاضی ہیں کہ افادۂ عام کی خاطر اِن کو شائع کردیا جائے۔ اسی سلسلہ میں بعض وہ مضامین بھی شائع کیے جائیں گے جو بعض جرائد واخبارات میں مختلف مواقع پر شائع ہو چکے ہیں تاکہ ایک ہی لڑی میں تمام مضامین مرتب ویکجا محفوظ ہوجائیں۔ (ادارہ)

مہتمم اول دارالعلوم دیوبند

جناب حضرت مولانا حاجی سیّد محمد عابد صاحب

قدس اللہ سرہٗ ورفع درجاتہٖ

﴿ نظرثانی وعنوانات : مولانا سیّد محمود میاں صاحب ﴾

☆☆☆

حضرت اقدس مولانا نانوتویؒ اور دیوبند :

آپ کی پیدائش ۱۲۴۸ھ/۱۸۳۲ء میں قصبہ نانوتہ ضلع سہارنپور میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم وطن مالوف میں حاصل کی۔ یہ قصبہ دیوبند سے جانب مغرب ۱۶ میل کے فاصلہ پر ہے یہاں نویں صدی ہجری سے صدیقی شیوخ کا ایک ممتاز خاندان آباد ہے حضرت نانوتویؒ اسی خاندان کے چشم وچراغ ہیں۔

مکتبی تعلیم کے بعد آپ کو دیوبند پہنچادیا گیا یہاں کچھ دنوں مولوی مہتاب علی کے مکتب میں پڑھا پھر اپنے نانا کے پاس سہارنپور چلے گئے جو وہاں وکیل تھے۔ سہارنپور میں مولوی نواز سے عربی صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ ۱۲۵۹ھ/۱۸۴۳ء کے آخر میں ان کو حضرت مولانا مملوک علی نانوتویؒ اپنے ہمراہ دہلی لے گئے وہاں کافیہ شروع کیا اور وہیں تکمیلِ علوم کی۔ (تاریخ دارالعلوم ص ۱۰۲ ج ۱)

حضرت نانوتویؒ کی سسرال دیوبند کے محلہ دیوان میں تھی۔ یہ محلہ چھتے کی مسجد کے شرق میں واقع ہے اب اس محلے کا خاصا حصہ دارالعلوم میں شامل ہو چکا ہے دارالعلوم کا مہمان خانہ اور اساتذہ کے لیے مکانات اسی جگہ تعمیر ہوئے ہیں۔

حضرت نانوتویؒ کی رشتہ داری کی وجہ سے اکثر دیوبند تشریف آوری ہوتی رہتی تھی۔ دیوبند میں حضرت مولانا ذوالفقار علیؒ، حضرت مولانا فضل الرحمٰنؒ اور حضرت حاجی محمد عابدؒ سے مودّت ومحبت کا رشتہ قائم تھا۔
سوانح مخطوطہ کے مصنف نے لکھا ہے :

"اسی زمانے میں جناب مولوی رفیع الدین صاحب اور جناب حاجی محمد عابد صاحب رحمہما اللہ چھتے کی مسجد میں قیام پذیر تھے۔ مولانا نے ان بزرگوں کی وجہ سے اسی مسجد میں قیام کیا اور ان دونوں بزرگوں سے کمال درجے کا ربط ضبط قائم ہوگیا"۔ (تاریخ دار العلوم ص ۱۴۹ ج ۱)

"۱۲۷۷ھ/ ۱۸۶۰ء میں حضرت حاجی محمد عابد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا سفرِ حج بمعیت حضرت نانوتویؒ، مولانا مظفر حسین کاندھلوی اور مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمہم اللہ کے ساتھ ہوا تھا۔ یہ سفر پنجاب اور سندھ کے راستے سے کیا گیا"۔ (تاریخ دیوبند ص ۴۴۹)

۱۸۵۷ء کے بعد پادری میلوں اور عام مجمعوں میں اسلام اور آنحضرت ﷺ پر اعتراضات کرنے لگے۔ حضرت نانوتویؒ نے دلی کے قیام کے زمانہ میں جب یہ صورت حال دیکھی تو اپنے شاگردوں سے فرمایا کہ وہ بھی اسی طرح بازاروں میں کھڑے ہو کر وعظ کہا کریں اور پادریوں کا رد کریں۔ ایک روز خود بھی بغیر تعارف اور اظہار نام مجمع میں پہنچے اور پادری تارا چند سے مناظرہ کیا اور اُس کو سر بازار شکست دی اس کے بعد ان کا تعارف مشہور مناظر اسلام مولانا ابوالمنصور ناصر الدین علی دہلوی (وفات ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء) سے ہوا۔ یہ ربیع الاول ۱۲۹۲ھ تا جمادی الثانیہ ۱۲۹۲ھ کے درمیان کا واقعہ ہے۔ اس زمانے میں حضرت نانوتویؒ منشی ممتاز علی کے مطبع مجتبائی دہلی میں مقیم تھے۔ (تاریخ دار العلوم ص ۱۱۷ ج ۱)

حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ اور نانوتہ اور آپ کا شجرہ نسب :

یہ تو بتلایا جا چکا ہے کہ نانوتہ دیوبند کے قریب بجانب مغرب صرف ۱۶ میل پر ایک قدیم قصبہ ہے، یہ سہارنپور شاہدرہ دہلی کی لائٹ ریلوے لائن پر واقع ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ کی نسبت تاریخ سہارنپور (شاہ ہارون پور) میں لکھا ہے کہ یہ قصبہ نانو نامی گوجر یا راجپوت کے نام پر موسوم ہے۔ نانوتہ کی قدیم تاریخ سے صرفِ نظر کر کے اگر صرف آخری دو صدیوں کی علمی تاریخ کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس سرزمین نے جو لعل و جواہر پیدا کیے ہیں وہ قیامت تک نظروں کو خیرہ کرتے رہیں گے۔

حضرت نانوتویؒ کا خاندان نانوتہ کا رہنے والا ہے۔ خود انہوں نے تیرہویں صدی کے اواخر میں دیوبند کی سکونت اختیار فرمائی۔

حضرت ؒ کا شجرۂ نسب یہ ہے :

مولانا محمد قاسم بن شیخ اسد علی بن غلام شاہ بن محمد بخش بن علاء الدین بن ابو الفتح بن محمد مفتی بن عبدالسمیع ابن مولوی محمد ہاشم بن شاہ محمد ابن قاضی طٰہٰ ابن مفتی مبارک ابن شیخ امان اللہ بن شیخ جمال الدین ابن قاضی میراں بڑے ابن قاضی مظہر الدین بن نجم الدین ثانی ابن نورالدین رابع ابن قیام الدین بن ضیاء الدین بن نورالدین ثالث ابن نجم الدین بن نورالدین ثانی ابن رکن الدین بن رفع الدین بن بہاء الدین بن شہاب الدین ابن خواجہ یوسف بن خلیل بن صدرالدین بن رکن الدین السمر قندی ابن صدر الدین الحاج ابن اسمٰعیل شہید بن نورالدین القتال ابن محمود بن بہاء الدین بن عبداللہ بن زکریا بن نورالدین سراج ابن شادی الصدیقی ابن وحید الدین مسعود ابن عبدالرزاق بن قاسم بن محمد بن سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وعنہم۔

آپ کے مورثِ اعلیٰ قاضی مظہر الدین المتوفی ۸۷۸ھ/۱۴۷۳ء خراسان سے ہندوستان آئے اور یہاں قضاء کے عہدے پر سرفراز ہوئے۔ ان کے فرزند قاضی میراں بڑے بلند پایہ عالم تھے۔ سلطان بہلول نے ان کو جاگیر اور نانوتہ کا منصبِ قضاء عطا کیا۔ مولوی محمد ہاشم عہد شاہجہاں میں دربارِ شاہی کے مقرب تھے۔ (تاریخ دیوبند ص ۱۲۰ تا ۱۲۲)

جس طرح حضرت حاجی محمد عابد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بانی دارالعلوم کہنا اور ماننا ضروری ہے اسی طرح یہ جاننا اور ماننا بھی ضروری ہے کہ منجانب اللہ دارالعلوم کا ڈھانچہ حضرت شیخ الہندؒ کے زمانہ سے آج تک علوم حضرت نانوتویؒ کا گھر بن گیا جو آج تک چلا آرہا ہے اور دنیا بھر میں یہ سلسلہ پھیل چکا ہے اللّٰھم تقبل وبارک وزد اور یہی حضرت حاجی محمد عابد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شروع دن سے خواہش اور نیت تھی جزاہ اللہ عنا خیر الجزاء۔

سلسلۂ اسناد :

مختصراً ہمارا علمی شجرہ اس طرح ہے :

"از حضرت مدنی قدس اللہ سرہٗ از حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہٗ از حضرت اقدس مولانا نوتوی قدس سرہٗ از حضرت شاہ عبدالغنی صاحب از حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب از حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب از حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہم اللہ"۔

حضرت شیخ الہندؒ نے اس طرح علم حاصل کیا کہ ۱۲۸۴ھ میں کنز الدقائق، میبذی، مختصر المعانی وغیرہ دارالعلوم دیوبند میں پڑھ کر سالانہ امتحان دیا۔ آئندہ سال ہدایہ، مشکوٰۃ شریف، مقامات وغیرہ میں امتحان دیے۔ ۱۲۸۶ھ میں کتب

صحاح ستہ اور بعض دیگر کتب اپنے فخر زمانہ استاذ حجۃ اللہ البالغہ مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہم سے شروع کی۔ مولانا ممدوح میرٹھ میں منشی ممتاز علی صاحب کے مطبع میں تصحیح کا کام کرتے تھے۔ پھر مطبع دہلی منتقل ہو گیا تو مولانا ممدوح بھی دہلی مقیم ہوئے اور کبھی کبھی دیوبند اور اپنے وطن نانوتہ بھی تشریف لے جا کر مقیم رہتے۔ حضرت مولانا (شیخ الہندؒ) نے ان سب مقامات میں اکثر اپنے باکمال استاد کے ساتھ رہ کر دل وجان سے قابل رشک خدمت کر کے سعادت حاصل کی اور سفر وحضر میں سلسلۂ درس جاری رکھ کر استاد کی شفقت اور اپنی ذکاوت سے بکمال تحقیق کتابیں پڑھیں۔

حضرت میاں سیّد اصغر حسین صاحب دیوبندی نور اللہ مرقدہ کیفیت درس تحریر فرماتے ہیں :

''مولانا کی خدمت میں سبق پڑھنا کچھ آسان کام نہ تھا عبارت میں غلطی کرنا یا ترجمہ سمجھنے کے خیال سے ٹھہرنا تو گویا گناہِ کبیرہ تھا۔ اس قسم کے اُمور اور بے موقع سوال سے مولانا مکدّر ہو جاتے اور سبق کا لطف ہی جاتا رہتا۔ جو شخص ذہین اور مستعد ہوتا اور اصل کتاب کو پہلے سمجھا ہوا ہوتا وہ مولانا کے مضامین سمجھنے کی اُمید کر سکتا تھا۔ اچھے اچھے ذی استعداد مولوی اس شرط پر شریک کیے جاتے تھے کہ صرف سنتے رہیں عبارت پڑھنے یا کچھ دریافت کرنے کا حق نہ ہوگا۔ لوگ خوشی سے قبول کرتے اور حاضر ہوتے۔

مولانا کا طرز ہی جدا تھا حدیث ہو یا منطق کلام ہو یا معانی ہر فن کے متعلق عجیب وغریب تحقیقات بیان فرماتے جس سے ہر مسئلہ کی انتہائی تحقیق اور اختلافات کی تطبیق بدیہی اور مشاہدہ کے طور پر ہو جاتی تھی اور اس قسم کے مضامین بیان فرماتے کہ کسی کے خیال میں آتے تھے نہ کسی نے سنے''۔

حضرتؒ کو قدرتی طور پر سعادتِ ازلی سے مولانا کے مضامین سے خاص مناسبت تھی اور اسی کے ساتھ طبع سلیم، ذہن رسا، حافظہ قوی یہ سب وجوہ مزید شفقت کا باعث تھیں اور سب سے بڑھ کر مولانا کی بصیرت اور نورِ فراست جس سے نظر آرہا تھا کہ یہی شخص کمالاتِ قاسمی کا آئینہ ہوگا اور علومِ انبیاء کا وارث۔ اسی طرح رفتہ رفتہ ۱۲۸۹ھ تک حضرت نے تمام صحاح ستہ اور دیگر فنون کی اعلیٰ کتابیں مولانا کی خدمت میں ختم فرمائیں اور اسی زمانہ میں باوقات مختلفہ ادب کی بعض کتب اپنے والد ماجد سے اور حساب وغیرہ دیگر فنون کی کتابیں مدرسہ میں پڑھیں۔ علومِ عقلیہ ونقلیہ میں اعلیٰ استعداد حاصل کر کے فارغ التحصیل ہو گئے اور بطور معین المدرسین درس دینے لگے۔

۱۹رذی قعدہ ۱۲۹۰ھ میں مدرسہ کے جلسہ دستار بندی اور اہلِ اسلام کے مجمع عام میں (بہمراہی مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہیؒ ومولانا عبدالحق صاحب پوری سلّمہ وغیرہ) سند فراغ اور دستار فضیلت اکابر علماء اور خیار عباد اللہ کے دست حق پرست سے عطاء ہوئی۔ (حیات شیخ الہندؒ ص ۲۰)

۸۸۔۱۲۸۹ھ میں معین المدرسین کی حیثیت سے آپ نے دار العلوم میں تدریس کا آغاز کیا (لیکن اس سال تک آپ حضرت نانوتوی قدس سرہ سے پڑھتے بھی رہے)۔ ۱۹رذی قعدہ ۱۲۹۰ھ میں جلسہ دستار بندی ہوا اس میں آپ کی دستار بندی ہوئی۔

حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ کا ۱۲۹۲ھ میں بحیثیت مدرس دار العلوم تقرر ہوا مشاہرہ پندرہ روپے رکھا گیا۔ ۱۲۹۳ھ میں آپ کو ترمذی شریف اور مشکوٰۃ شریف پڑھانے کے لیے دی گئیں ہر سال آپ ہدایہ وغیرہ سمیت نو کتابیں پڑھاتے رہے ہیں۔ ۱۲۹۵ھ میں آپ نے پہلی بار بخاری شریف بھی پڑھائی (حیات شیخ مصنفہ حضرت مولانا میاں سیّد اصغر حسین صاحبؒ دیوبندی ص ۲۱۔۲۲)۔

شوال ۱۲۹۴ھ میں حضرت نانوتوی وحضرت گنگوہی رحمہم اللہ کے ساتھ حج کے لیے روانگی ہوئی مکہ مکرمہ میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہٗ سے شرف حاصل ہوا اور مجاز ہوئے۔ ربیع الاول ۱۲۹۵ھ میں دیوبند واپسی ہوئی لیکن واپسی کے سفر میں حضرت نانوتویؒ بہت علیل رہے۔ واپسی پر حضرت نانوتوی قدس سرہٗ نے دیود بند میں ہی قیام فرمالیا۔ اس لیے آپ کے استفادہ کا سلسلہ بدستور جاری رہا۔

اسی سال کے اخیر میں حضرت مولانا اشرف علی صاحبؒ (تھانوی) تحصیل علم کے لیے دیوبند تشریف لائے اور منجملہ اسباق کے ملاحسن اور معانی حضرت کے متعلق ہوئے اور اخیر زمانہ تحصیل تک ہدایہ اخیرین، حمد اللہ، میر زاہد، ملاجلال میر زاہد رسالہ اور چند کتب حدیث حضرت سے پڑھیں۔

حضرت اقدس نانوتویؒ کو سفر حج سے واپسی کے دوران جو شدید علالت پیش آئی تھی اس سے صحت ہوگئی تھی لیکن کھانسی کی شکایت رہ گئی تھی اور اس سے کبھی کبھی تنفس کا دورہ ہو جاتا تھا۔ ۱۲۹۷ھ میں ضیق النفس کے دورے کئی بار ہوئے جن سے ضعف بہت بڑھ گیا۔ اسی حالت میں اپنے استاذ محترم حضرت مولانا احمد علی صاحب سہارنپوریؒ کی عیادت کے لیے سہارنپور تشریف لے گئے اور ان کے ارشاد سے چودہ روز وہاں قیام فرمایا، وہیں مولانا نانوتویؒ کو تنفس کا شدید دورہ ہوا اور ساتھ ہی ذات الجنب بھی۔ آپ کو دیوبند واپس لے آیا گیا۔ پنجشنبہ ۴رجمادی الاولیٰ ۱۲۹۷ھ بعد نماز ظہر یکا یک رُوح مبارک پرواز کرگئی انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

جناب حکیم مشتاق احمد صاحب رئیس نے شہر سے باہر مگر مدرسہ سے قریب اپنی مملوکہ زمین کا ایک قطعہ اُسی وقت وقف کیا اسی میں بعد نماز مغرب آپ کی تدفین ہوئی یہی خطہ آج جوارِ صالحین بنا ہوا ہے۔ تیسرے روز بروز شنبہ سہارنپور میں حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث قدس سرہٗ نے بھی وفات پائی۔

رضی اللہ عنہما مادہ تاریخ ہے ۱۲۹۷ھ (حیات شیخ الہندؒ ص ۲۶)

مجھے جناب حامد حسن صاحب پٹواری عثمانی دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ نے بتلایا تھا کہ وہ حضرت نانوتوی قدس سرہٗ کے دفن کے کام میں شریک تھے جب قبر کھودی جارہی تھی تو اُس میں مٹی میں سے خوشبو آرہی تھی یہ ان کا اپنا مشاہدہ تھا۔ ان سے ہماری رشتہ داری تھی اور یہ عثمانی خاندان میں معمر بزرگ گزرے ہیں۔ ان کا حوالہ خاص طور پر اس لیے لکھ رہا ہوں کہ وہ احمد رضا خاں صاحب کو بھی ٹھیک سمجھتے تھے۔

نوٹ : حضرتؒ کی وفات کا دن تو متعین ہے کہ پنجشنبہ تھا، تقویم کے اعتبار سے یہ ۵ر جمادی الاولیٰ/ ۱۵ر اپریل ۱۸۸۰ء بنتی ہے۔ تاریخ وفات کے کلمات عجیب ہیں ایسے ہی حضرت مدنیؒ کی تاریخ وفات حضرت مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی مدظلہ نے نکالی تھی رضی اللہ عن حسین احمد۔ مرضِ فالج میں بڑے بڑے اکابر مبتلا ہوئے اور اسی میں ان کی وفات ہوئی کچھ عرصہ قبل مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری اسی میں مبتلا ہوکر وفات پاگئے رحمہم اللہ۔ اس مرض کے بارے میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے روایت نقل کی ہے کہ یہ داء الانبیاء یعنی انبیاء کرام کا مرض ہے۔ اس کی تفسیر کئی طرح ہوسکتی ہے مگر میں صرف روایت نقل کرتا ہوں۔ حدثنا جریر عن لیث عن ابی ھبیرۃؓ قال الفالج داء الانبیاء . (تذکرہ حضرت ربیع بن خثیمؒ، کتاب الزھد ص ۳۳۹ مطبوعہ بیروت)۔

آپ نے علم حدیث اس طرح حاصل کیا کہ فجر سے ظہر تک حدیثیں نقل کرتے اور ظہر کے بعد عصر تک حضرت شاہ اسحٰق صاحبؒ سے مکہ مکرمہ میں نقل کی ہوئی احادیث کی سماعت کرتے۔ آپ نے حدیث کی تمام کتابیں شاہ صاحبؒ سے اسی طرح پڑھیں۔ (تاریخ دارالعلوم حاشیہ ص ۱۰۶ ج ۱)

حضرت مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے حجاز سے واپس آکر ۱۲۶۲ھ/ ۱۸۴۵ء میں مطبع احمدی دہلی میں قائم کیا۔ یہ مطبع ہندوستان میں سب سے پہلا مطبع ہے جس میں کتب حدیث طبع ہوئیں۔ ۱۲۶۵ھ/ ۱۸۴۸ء میں جامع ترمذی، ۱۲۷۰ھ/ ۱۸۵۳ء میں صحیح بخاری اور ۱۲۷۱ھ/ ۱۸۵۴ء میں مشکوٰۃ المصابیح نہایت اہتمام سے شائع ہوئیں۔ بخاری شریف کے آخر کے پانچ یا چھ پاروں کا حاشیہ لکھنا حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ نے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہما کے ذمہ کیا جوانہوں نے باحسن وجوہ اعتراضات امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے جواب باحوالہ سمیت مکمل فرمایا۔ امام بخاریؒ نے مسلک حنفی پر اس حصہ میں بہت اعتراضات اُٹھائے ہیں۔ ۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد یہ مطبع میرٹھ منتقل ہوگیا (تاریخ دارالعلوم ص ۱۰۷ و ۱۰۸ مع حاشیہ ج ۱)۔

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حاشیہ ۱۲۶۸ھ/ ۱۸۵۲ء میں لکھا ہے (تاریخ دارالعلوم ص ۱۰۹ ج ۱)۔ اس وقت آپ کی عمر مبارک اکیس سال تھی (تاریخ دارالعلوم ص ۱۱۲ ج ۱)۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہٗ کے سامنے سیاسی حالات تھے عربک کالج کا حال سامنے تھا اور کشف سے اندازہ ہوا ہوگا کہ یہاں انکا علمی سلسلہ جاری رہے گا اس لیے انہوں نے دارالعلوم کے لیے کچھ وصیتیں فرمائیں جن میں حکومت سے امداد کے بجائے توکل کی تلقین فرمائی ہے اور کچھ اصول کار بھی۔ ان سے آپ اُن کے ذہن مبارک کے تقدس کا بھی اندازہ لگائیں اور یہ بھی دیکھیں کہ دارالعلوم نے اِن پر کاربند ہو کر کتنی ترقی کی ہے۔ تاریخ دارالعلوم سے ہم یہ وصایا نقل کرتے ہیں۔

(۱) اصل اول یہ ہے کہ تا مقدور کارکنانِ مدرسہ کو ہمیشہ تکثیر چندہ پر نظر رہے آپ کوشش کریں اوروں سے کرائیں خیراندیشانِ مدرسہ کو یہ بات ہمیشہ ملحوظ رہے۔

(۲) ابقائے طعام طلبہ بلکہ افزائش طلبہ میں جس طرح ہوسکے خیراندیشانی مدرسہ ہمیشہ ساعی رہیں۔

(۳) مشیرانِ مدرسہ کو ہمیشہ یہ بات ملحوظ رہے کہ مدرسہ کی خوبی اور خوش اسلوبی ہو اپنی بات کی پچ نہ کی جائے خدانخواستہ جب اس طرح کی نوبت آئے گی کہ اہلِ مشورہ کو اپنی مخالفت رائے اور اوروں کی رائے کے موافق ہونا ناگوار ہوا تو پھر اس مدرسہ کی بنیاد میں تزلزل آجائیگا۔ القصہ تہ دل سے بروقت مشورہ اور نیز اس کے پس وپیش میں اسلوبی مدرسہ ملحوظ رہے، سخن پروری نہ ہو۔ اور اس لیے ضروری ہے کہ اہلِ مشورہ اظہارِ رائے میں کسی وجہ سے متامل نہ ہوں اور سامعین بہ نیت نیک اس کو سنیں یعنی یہ خیال رہے کہ اگر دوسرے کی بات سمجھ میں آجائے گی تو اگر چہ ہمارے مخالف ہی کیوں نہ ہو بدل وجان قبول کریں گے اور نیز اسی وجہ سے یہ ضروری ہے کہ مہتمم اُمورِ مشورہ طلب میں اہلِ مشورہ سے ضرور مشورہ کیا کرے خواہ وہ لوگ ہوں جو ہمیشہ مشیر مدرسہ رہتے ہیں یا کوئی وارد وصادر جو علم وعقل رکھتا ہو اور مدرسوں کا خیر اندیش ہو اور نیز اس وجہ سے ضرور ہے کہ اگر اتفاقاً کسی وجہ سے اہلِ مشورہ سے مشورے کی نوبت نہ آئے اور بقدرِ ضرورت اہلِ مشورہ کی مقدار معتد بہ سے مشورہ کیا گیا ہو تو پھر اس وجہ سے ناخوش نہ ہو کہ مجھ سے کیوں نہ پوچھا ہاں اگر مہتمم نے کسی سے نہ پوچھا تو پھر اہلِ مشورہ معترض ہوسکتا ہے۔

(۴) یہ بات بہت ضروری ہے کہ مدرسین مدرسہ باہم متفق المشرب ہوں اور مثل علماء روزگار خودبین اور دوسروں کے درپے توہین نہ ہوں۔ خدانخواستہ جب اس کی نوبت آئے گی تو پھر مدرسہ کی خیر نہیں۔

(۵) خواندگی مقررہ اس انداز سے جو پہلے تجویز ہو چکی ہے یا بعد میں کوئی اور انداز مشورہ سے تجویز ہو پوری ہو جایا کرے۔ ورنہ یہ مدرسہ اول تو خوب آباد نہ ہوگا اور اگر ہوگا تو بے فائدہ ہوگا۔

(۶) اس مدرسہ میں جب تک آمدنی کی کوئی سبیل یقینی نہیں جب تک یہ مدرسہ انشاء اللہ بشرط توجہ الی اللہ اسی طرح چلے گا اور اگر کوئی آمدنی ایسی یقینی حاصل ہوگئی جیسے جاگیر یا کارخانہ تجارت یا کسی امیر محکم القول کا وعدہ تو پھر یوں نظر

آتا ہے کہ یہ خوف ورجا جو سرمایہ رجوع الی اللہ ہے ہاتھ سے جاتا رہے گا اور امدادِ غیبی موقوف ہو جائے گی اور کارکنوں میں باہم نزاع پیدا ہو جائے گا القصہ آمدنی اور تعمیر وغیرہ میں ایک نوع کی بے سروسامانی ملحوظ رہے۔

(۷) سرکار کی شرکت اور امراء کی شرکت بھی زیادہ مضر معلوم ہوتی ہے۔

(۸) تا مقدور ایسے لوگوں کا چندہ زیادہ موجب برکت معلوم ہوتا ہے جن کو اپنے چندہ سے امید ناموری نہ ہو۔ بالجملہ حسن نیت اہلِ چندہ زیادہ پائیداری کا سامان معلوم ہوتا ہے۔ (تاریخ دارالعلوم ج ۱ ص ۱۵۳ و ۱۵۴)

وصیت ۶، ۷، ۸ کو پوری طرح ملحوظ رکھا گیا ہے اور کبھی گورنمنٹ سے بھی گرانٹ نہیں لی گئی۔ دارالعلوم اور اس کے نقشِ قدم پر قائم ہونے والے مدارس **شجرةً طيبتاً اصلها ثابت وفرعها فى السماء** حضرت اقدس نانوتویؒ کے سالِ وصال کے ذیل میں آپ کا ذکر مبارک آیا۔

اب پھر بانی دارالعلوم حضرت حاجی محمد عابد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تعلق مدرسہ کے زمانہ تک کا سن وار حال تحریر ہے۔ اہم واقعات سن وار یہ ہیں :

۱۲۹۸ھ/ ۱۲۹۹ء میں جلسہ تقسیم انعام واسناد منعقد ہوا جو چند سال سے نہیں ہو سکا تھا۔

۱۳۰۲ھ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی قدس سرہٗ کی ۳ ربیع الاول کو نانوتہ میں بمرضِ فالج وفات ہوئی (تقویم کے اعتبار سے یہ ۲۱ دسمبر ۱۸۸۲ء تاریخ بنتی ہے)۔

۱۳۰۶ھ میں حضرت مولانا رفیع الدین صاحبؒ بقصد ہجرت مدینہ منورہ روانہ ہوئے اور وہیں ۱۳۰۸ھ میں وفات پائی، تقریباً بیس سال فرائض اہتمام انجام دیئے تھے۔

اراکینِ شوریٰ نے حضرت حاجی محمد عابد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اہتمام کی ذمہ داری سنبھالنے کی درخواست کی۔ آپ مجلس شوریٰ کے رکن تو شروع ہی سے تھے اور ۱۲۸۳ھ اور ۱۲۸۷، ۱۲۸۶ھ میں دو مرتبہ مہتمم رہ چکے تھے۔

صاحب تذکرہ نے حضرت حاجی صاحبؒ کے ایک اختلاف کی وجہ بھی ذکر کی ہے لیکن وہ اہلِ مدرسہ سے نہ تھا کچھ لوگوں سے تھا مگر وہ لوگ مدرسہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اس اختلاف کے بعد حضرت مولانا رفیع الدین صاحبؒ کی ہجرت کا زمانہ بنتا ہے۔ (جاری ہے)

شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی عبدالحمید صاحب رحمۃ اللہ علیہ

رفتید و لے نہ از دلِ ما

﴿ پروفیسر میاں محمد افضل صاحب ﴾

❁❁❁

نحمده ونصلی علٰی رسولہ الکریم اما بعد!

حدیث شریف میں آتا ہے کہ قیامت برپا ہونے سے پہلے علم اُٹھ جائیگا اور علم کے اُٹھ جانے سے مراد علماء کرام کا اُٹھ جانا ہے۔ پچھلے دنوں ایک ایسے ہی عالم باعمل ۱۶؍اپریل ۲۰۰۴ء مطابق ۲۶؍صفر ۱۴۲۵ھ کو اس دارفانی سے رخصت ہوکر عالم جاودانی کو سدھار گئے انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ میری مراد اُستادِ محترم جامع المعقول والمنقول شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی عبدالحمید صاحب رحمۃ اللہ علیہ سیتاپوری ہیں، جو جامع مسجد جانی شاہ لٹن روڈ لاہور میں تقریباً دس سال سے اپنی ضعیف العمری اور بیماری کی وجہ سے گمنامی کی زندگی گزار رہے تھے۔ قوت سماعت کی کمزوری کی وجہ سے بہت اُونچا سنتے تھے۔ اِن حالات میں بھی ذکر وشکر خداوندی سے رطب اللسان رہتے تھے۔

بندہ جب کبھی حاضر ہوتا تو اوکاڑہ کے ساتھیوں کا ذکرِ خیر زبان پر جاری ہو جاتا۔ آپ نہ صرف ایک متبحر عالم تھے بلکہ زہد وتقوی کے بلند مقام پر بھی فائز تھے۔ ایسا کیوں نہ ہوتا جبکہ آپ کو شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے شرفِ تلمذ اور سعادتِ بیعت حاصل تھی۔

آپ کی ولادت ۱۹۱۹ء میں ضلع سیتاپور (انڈیا) کی تحصیل بسواں کے ایک گاؤں سَبْدَلْ پور کے ایک معزز راجپوت گھرانہ میں ہوئی۔ آپ کے والد ماجد کا نام محمد علی خاں تھا جو بہت نیک سیرت، متبع شریعت اور پابند صوم وصلوٰۃ بزرگ تھے۔ انہوں نے اپنے اس ہونہار سپوت کو پہلے مڈل تک تعلیم دلائی۔ بعد میں علوم دینیہ کی تحصیل کی طرف متوجہ کیا۔ علوم دینیہ کی تحصیل کے سلسلہ میں آپ رامپور اور دہلی کے مختلف مدارس میں زیرِ تعلیم رہے۔ ۱۹۴۱ء میں آپ دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے۔ چار سال تک مختلف فنون کی کتب پڑھیں اور ۱۹۴۵ء میں دورۂ حدیث پڑھ کر فراغت حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا اعزاز علی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے یگانۂ روزگار علماء شامل تھے۔ فراغت کے بعد آپ نے شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ لاہوری کے دورہ تفسیر کے حلقہ میں بھی داخلہ لے کر تفسیرِ قرآن کا علم حاصل کیا تھا۔ ان اساتذہ کرام کی نظرِ کرم اور شفقت کی وجہ سے آپ نوجوانی

میں ہی عالمِ بے بدل اور زہدو اتقاء کے پیکرِ بے مثل بن گئے تھے۔ آپ صرف علومِ دینیہ کے ہی ماہر نہ تھے بلکہ علم ہیئت اور طب یونانی میں بھی آپ کو کامل دستگاہ حاصل تھی۔

مولانا مرحوم ۱۹۵۶ء میں جامعہ رشیدیہ ساہیوال کو خیر باد کہہ کر جامعہ محمودیہ عیدگاہ اوکاڑہ میں تشریف لے آئے اور تدریس کتب کی ذمہ داری سنبھالی۔ میرے والد صاحب نے مجھے مولانا کے سپرد کردیا۔ اُس وقت بندہ کی عمر دس برس سے زیادہ نہ تھی۔ بندہ تقریباً پانچ سال تک مولانا کے ساتھ رہا۔ بچہ ہونے کی وجہ سے مولانا کے گھر کے کام کاج بھی بندہ کے سپرد تھے۔ جس طرح مولانا مجھ پر شفیق تھے مولانا کی اہلیہ مرحومہ بھی بندہ سے نہایت شفقت کا سلوک کرتی تھیں۔ مولانا کے بڑے صاجبزادے حضرت مولانا مفتی عبدالرشید صاحب مرحوم مجھ سے تقریباً پانچ سال چھوٹے تھے اور میرے ہمجولیوں میں شامل تھے۔ مولانا مرحوم کے چھوٹے بچوں کو اپنی گود میں کھلانے کا شرف بھی حاصل رہا۔ الغرض بندہ کو مولانا مرحوم اپنے گھر کا فرد خیال کرتے تھے اور شفقت کا معاملہ فرماتے تھے۔ میں نے ابتدائی فارسی سے لے کر شرح جامی، کنزالدقائق تک تمام کتب مولانا مرحوم سے پڑھیں۔

مولانا کا اندازِ تدریس نہایت دلکش اور جاذب ہوتا تھا۔ دورانِ سبق طنز و مزاح کی باتیں بھی خوب فرماتے تھے۔ اس لیے آپ کے سبق میں بوریت اور یبوست نامی کوئی چیز نہ ہوتی تھی۔ بات سمجھانے کا انداز بہت عمدہ اور دلنشیں ہوتا تھا۔ ہر طالب علم آپ کے اندازِ تدریس سے یکساں فائدہ اُٹھاتا تھا۔ کند ذہن طلباء بھی سبق کو سمجھ کر اُٹھتے تھے۔ میں بچپن میں خاصا شریر واقع ہوا تھا۔ مولانا میری شرارتوں کو برداشت کرتے اور بعض اوقات محظوظ بھی ہوتے اور فرماتے: افضل بہت شریر ہے اس لیے سبق خوب یاد کرلیتا ہے۔

دورانِ تدریس مولانا ادبی لطائف بھی سناتے رہتے تھے جن سے ذہین طلبا کو بہت فائدہ پہنچتا تھا۔ اُن میں سے چند ایک لطائف قارئین کی نذر کرتا ہوں تاکہ اُنہیں مولانا کے ادبی ذوق کو پہچاننے اور جاننے کا موقع ملے :

ایک مرتبہ فرمایا: ''مردہ بدریا می رود و شلغم می خورد''، اس کا مطلب بتاؤ؟ اس کا ترجمہ یہ ہے کہ مردہ دریا میں بہتا جارہا ہے اور شلغم کھا رہا ہے۔ بظاہر بات بے معنی سی لگتی ہے۔ کافی غور و خوض کے بعد جب بات سمجھ نہ آئی تو فرمایا: شلغم کو ''شل غم'' پڑھو بات سمجھ آجائیگی۔ جب ایسا کیا تو بات سمجھ آگئی یعنی مردہ کی لاش دریا میں بہتی جارہی ہے اور ایک فالج زدہ آدمی کو اس بات کا دکھ ہے کہ وہ دریا میں کود کر لاش کو باہر نہیں نکال سکتا کیونکہ اُس کے لیے چلنا پھرنا دشوار ہے۔

ایک مرتبہ فرمایا: ''وزیر روزہ داشت و شہتوت خورد روزۂ او نہ گسست'' اس کا مطلب بتاؤ۔ اس کا بظاہر ترجمہ یوں ہے کہ وزیر نے روزہ رکھا اور شہتوت کھائے مگر اس کا روزہ نہ ٹوٹا۔ ہمیں بات سمجھ نہ

آئی کیونکہ شہتوت کھانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ تو فرمایا شہتوت کو یوں پڑھو ''شہ توت خورد'' اب بات سمجھ میں آئی کہ وزیر کا روزہ واقعی نہیں ٹوٹا کیونکہ توت تو بادشاہ نے کھائے ہیں وزیر نے نہیں کھائے''۔

ایک مرتبہ فرمایا ''اَبَاحنیفة نِ الشطرنج وھو الشافعی'' اس کا مطلب بتاؤ؟ اس کا مہمل سا ترجمہ یوں ہے کہ ''ابوحنیفہ نے شطرنج کو اور وہ شافعی ہیں''۔ کچھ بات سمجھ نہ آئی تو فرمایا یہ جملہ بالکل صحیح ہے لیکن ابا حنیفة کو یوں لکھو ''اَبَاحَنِیْ فَتَی نِ الشطرنج'' تو بات واضح ہو جائے گی چنانچہ اس طرح لکھنے سے بات واضح ہوگئی یعنی ''ایک جوان نے میرے لیے شطرنج کو جائز قرار دیا اور وہ شافعی ہیں''۔

ان ادبی لطائف سے قارئین گرامی پر واضح ہو گیا ہوگا کہ مولانا کا اندازِ تدریس کتنا دلچسپ اور ادبی لطائف سے معمور ہوتا تھا۔

مولانا کے پاس بڑے بڑے طبیب مشورے کے لیے آتے تھے اور میرے خیال میں کچھ کیمیا گر بھی سونا بنانے کا گر پوچھنے کے لیے حاضر خدمت ہوتے تھے۔ چونکہ میرا بچپن تھا اس لیے مولانا سے کتابی سبقوں کے علاوہ کوئی فیض حاصل نہ کر سکا، مولانا اکثر و بیشتر عصر کی نماز کے بعد مجھے اور ایک دو ساتھیوں کو ساتھ لیتے اور اوکاڑہ شہر سے باہر نہر لوئر باری دوآب کی جانب نکل جاتے راستہ میں مختلف خودرَو بوٹیوں کے نام بتاتے اور اُن کے خواص ذہن نشین کراتے اور فرماتے انہیں یاد کر لو بہت مفید چیزیں ہیں زندگی میں کام آئیں گی۔ آج اگر دستارِ قاضی نامی بوٹی کا تعارف کرایا ہے تو دوسرے دن برمی بوٹی، مُنڈی بوٹی زیرِ بحث ہیں لیکن ہم اپنی لااُبالی طبیعت کی وجہ سے تمام باتیں ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے باہر نکال دیتے اور

تہی دستانِ قسمت راچہ سود از رہبرِ کامل　　　خضر از آبِ حیواں تشنہ می آرد سکندر را

کا مصداق بنتے رہے۔

آپ علومِ عالیہ کے ساتھ ساتھ علومِ آلیہ کے بھی ماہر تھے۔ علم طب، علم نجوم، علم ہیئت جیسے علوم آپ کے سامنے دست بستہ کھڑے رہتے تھے۔ لیکن آپ کا اصل مقصد و مشن علومِ دینیہ عالیہ کی ترویج و اشاعت تھا اور اپنے اس مقصد میں مولانا مرحوم نہ صرف کامیاب رہے بلکہ کامیاب ترین ثابت ہوئے۔ ملکِ پاکستان کے بڑے بڑے علماء و محدثین کو آپ سے شرف تلمذ حاصل تھا جن میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یٰسین صابر صاحب ملتان، مفتی محمد سلمان صاحب مرحوم سابق شیخ الحدیث دار العلوم ربانیہ ٹوبہ ٹیک سنگھ، مولانا عبدالعزیز صاحب شیخ الحدیث جامعہ رحمانیہ اللہ آباد ضلع قصور، مناظر اسلام مولانا عبدالرحمٰن اوکاڑوی مہتمم مدرسہ مخزن العلوم ٹاؤن شپ، حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب جامعہ مدنیہ لاہور،

مولانا عبدالغنی صاحب، مولانا سیّد محمود میاں صاحب، مولانا سیّد رشید میاں صاحب، مولانا نعیم الدین صاحب، مولانا قاری عثمان صاحب، مولانا خالد محمود صاحب وغیرہم اور مرحوم کے صاحبزادے حضرت مولانا مفتی عبدالرشید صاحب مرحوم کے ساتھ ساتھ مولانا محمد امین صفدر صاحب اوکاڑوی مرحوم بھی آپ کے تلامذہ میں شامل تھے جس طرح مولانا مرحوم کو اپنے بڑے صاحبزادے مولانا مفتی عبدالرشیدؒ کے علم پر ناز تھا ایسے ہی مولانا محمد امین صفدرؒ اوکاڑوی کو بھی اپنا مایہ ناز شاگرد کہتے تھے۔

اس سلسلہ میں ایک واقعہ اپنی طالب علمی کے زمانہ کا یاد آرہا ہے قارئین گرامی کی نذر کرتا ہوں: ''ایک دن اوکاڑہ کے دو تین علماء حضرت مولانا مرحوم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شکوہ کرنے لگے کہ آپ کی نظرِ شفقت ہم پر نہیں بلکہ ماسٹر محمد امین پر ہے جو کہ باضابطہ عالم بھی نہیں ہے۔ مولانا نے جواباً فرمایا کہ محمد امین سے حسد نہ کرو کیونکہ اُسے مولانا نانوتویؒ کی کتابیں تحذیر الناس، قبلہ نما وغیرہ سب آتی ہیں جبکہ تم سب مل کر بھی ان کتابوں کے ایک صفحہ کی بھی وضاحت نہیں کر سکتے، اس پر وہ حضرات مولانا مرحوم سے ناراض ہو کر چلے گئے''۔

لاہور میں برادرِ مرحوم (مولانا محمد امین صفدرؒ) کا ایک بیان مفتی صاحبؒ نے سنا۔ بعد میں چھوٹے بھائی مولانا مفتی محمد انور اوکاڑی سے ملاقات ہوئی تو فرمایا کہ ''میں نے امین کی تقریر سنی تھی۔ وہ شاگرد تو میرا ہے لیکن ہمارا علم کسبی ہے اور امین کا علم وہبی ہے۔'' اور ساتھ ہی بھائی صاحب کے علم میں مزید برکت کی دعائیں کرتے رہے۔ اسے کہتے ہیں خورد نوازی یعنی چھوٹوں کو بڑا بنانا، حالانکہ مولانا محمد امین صفدرؒ جو بھی تھے حضرت لاہوریؒ، حضرت مولانا عبدالحنانؒ ہزاروی، حضرت مولانا عبدالقدیرؒ اور حضرت مولانا عبدالحمیدؒ سیتاپوری کی نظر کرم اور دعاؤں کے طفیل تھے۔

مولانا مرحوم کی دین سے لگن اور محبت کی واضح دلیل یہ ہے کہ اُن کے تمام بچے بچیاں حافظ اور عالم ہیں۔ مولانا عبدالرشید مرحوم اگر زندہ رہتے تو مولانا کے صحیح وارث اور جانشین ہوتے لیکن وہ جوانی ہی میں عازمِ خلد بریں ہو گئے۔ باقی دونوں صاحبزادے مولانا عبدالحفیظ صاحب اور مولانا عبدالوحید صاحب بھی ماشاء اللہ حافظ اور عالم باعمل ہیں اور اپنے اپنے حلقہ اثر میں دین کا کام کر رہے ہیں۔ مولانا کی صاحبزادیاں بھی حافظ قرآن اور ضروریاتِ دین کی عالمہ ہیں۔ مولانا کے بڑے پوتے مولوی محمد عمران بھی حافظ اور عالم ہیں۔ چھوٹے پوتے محمد سلمان حفظ کرنے کے بعد جامعہ مدنیہ میں درجۂ کتب کے طالبِ علم ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ مولانا مرحوم کے علمی فیض کو تا قیامت جاری وساری رکھے اور ان کی اولاد کو مولانا کے نقشِ قدم پر چلائے اور صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ آخر میں دعا ہے کہ خدا تعالیٰ مولانا مرحوم کے طفیل ہم سے بھی دین کا کام لے لے۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نو رستہ تیرے گھر کی نگہبانی کرے

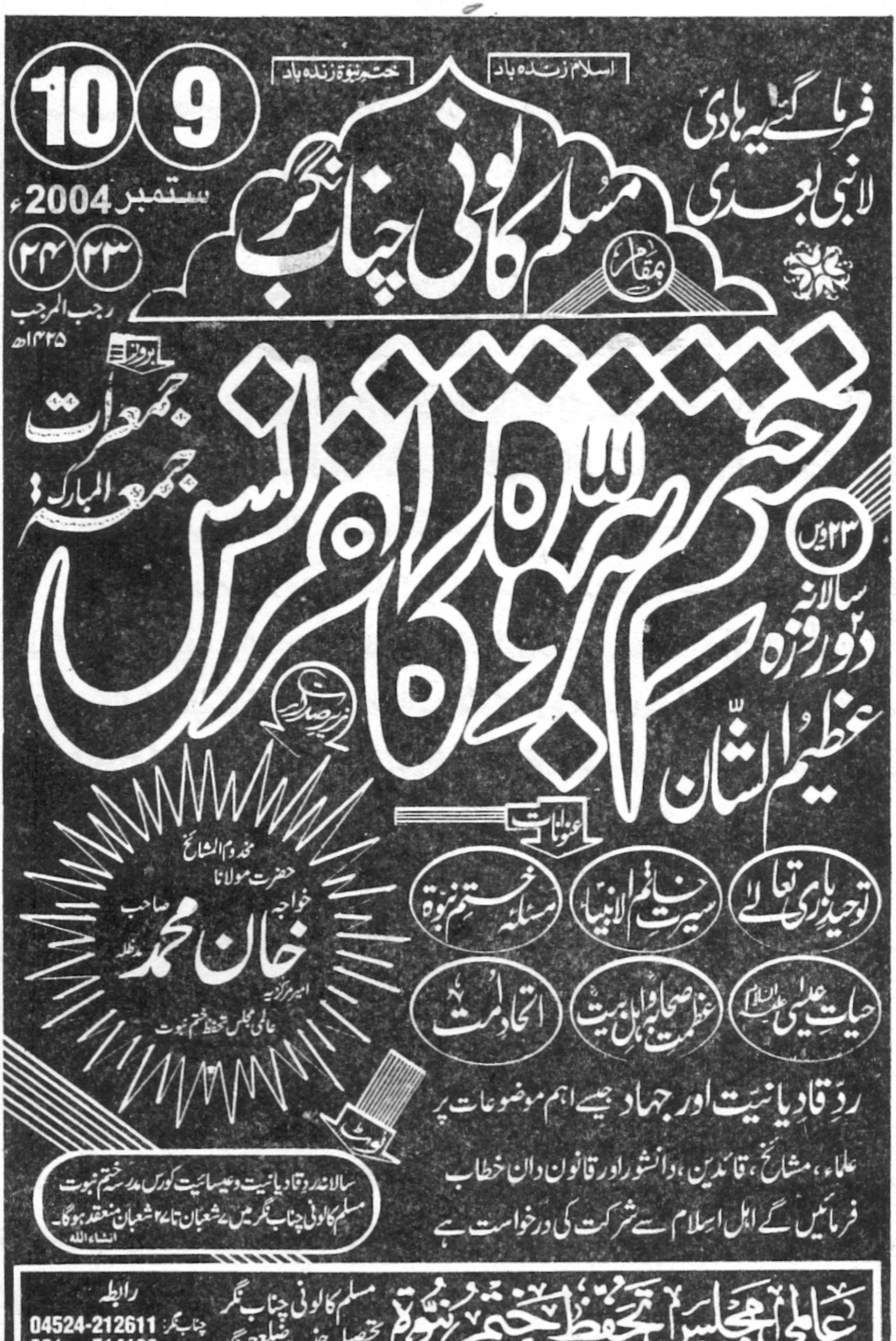
اسلام زندہ باد
ختم نبوۃ زندہ باد
فرما گئے یہ ہادی
لا نبی بعدی
بمقام مسلم کالونی چناب نگر
9 10
ستمبر 2004ء
۲۳ ۲۴
رجب المرجب ۱۴۲۵ھ
بروز جمعرات جمعۃ المبارک
۲۳ ویں سالانہ دو روزہ
عظیم الشان
ختم نبوت کانفرنس
زیر صدارت
مخدوم المشائخ
حضرت مولانا
خواجہ خان محمد صاحب مدظلہ
امیر مرکزیہ
عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت
عنوانات
توحید باری تعالیٰ
سیرت خاتم الانبیاء
مسئلہ ختم نبوۃ
حیات عیسیٰ علیہ السلام
عظمت صحابہ و اہل بیت
اتحاد اُمت
ردِّ قادیانیت اور جہاد جیسے اہم موضوعات پر
علماء، مشائخ، قائدین، دانشور اور قانون دان خطاب
فرمائیں گے اہل اسلام سے شرکت کی درخواست ہے
نوٹ
سالانہ ردِ قادیانیت وعیسائیت کورس مدرسہ ختم نبوت
مسلم کالونی چناب نگر میں ۷ شعبان تا ۲۷ شعبان منعقد ہوگا۔
انشاء اللہ
عالمی مجلس تحفظ ختم نبوۃ
مسلم کالونی چناب نگر
تحصیل چنیوٹ ضلع جھنگ
رابطہ
چناب نگر: 04524-212611
ملتان: 061 - 514122

اسراء و معراج

(نقلی اور عقلی بحث)

﴿ حضرت علامہ مولانا شمس الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ ﴾

اسراء و معراج کا فرق :

حضور علیہ السلام کے ایک مخصوص سفر و سیر کا نام ''اسراء و معراج'' ہے۔ اس سفر کا پہلا زمینی حصہ جو کہ مکہ معظمہ سے بیت المقدس تک ہے اس کا نام ''اسراء'' ہے اور مسجد اقصیٰ سے عالم بالا کی آخری منزل تک کے سفر کا نام ''معراج'' ہے۔ پہلا حصہ سورۂ بنی اسرائیل کے اول میں اور دوسرا حصہ معراج کا سورۂ نجم کے اول میں مذکور ہے۔ اس واقعہ کی تفصیلات احادیث میں مذکور ہیں۔ زرقانی نے مواہب لدینہ میں لکھا ہے کہ واقعہ معراج کو ۴۵ صحابہؓ نے حضور علیہ السلام سے نقل کیا ہے۔

آراءِ مختلفہ دربارۂ معراج :

اس واقعہ میں مندرجہ ذیل اُمور میں اختلافِ رائے موجود ہے :

(۱) معراج کا آغاز کس مکان سے ہوا؟

(۲) یہ واقعہ کس تاریخ کو پیش آیا؟

(۳) اس واقعہ کی کیفیت کیا تھی رُوحانی یا جسمانی، منامی یا انقاظی؟

(۴) اس سفر کی آخری حد کہاں تک تھی؟

آغازِ معراج :

قرآن حکیم کا بیان یہ ہے کہ سفرِ معراج مسجد الحرام سے شروع ہوا سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ ''وہ خدا ہر نقص سے پاک ہے جو رات کو لے گیا اپنے خاص بندے کو مسجد الحرام سے مسجدِ اقصیٰ تک''۔ صحیحین میں انس بن مالکؓ نے مالک بن صعصعہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ آغازِ سفر حطیم اور حجر سے ہوا۔ حطیم اور حجر چونکہ ایک ہی چیز ہے اور یہ مسجد الحرام میں واقع ہے لٰہذا یہ روایت قرآن کے خلاف نہیں۔

نسائی میں ابن عباسؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ معراج کا آغاز اُم ہانیؓ کے گھر سے ہوا۔ بخاری شریف میں ابوذرؓ کی روایت ہے فرج سقف بیتی وانا بمکۃ کہ میرے گھر کی چھت پھٹ گئی اور میں مکہ میں تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود حضور کے گھر سے اس سفر کا آغاز ہوا۔ واقدی کی روایت میں ہے کہ یہ سفر شعب ابی طالب سے شروع ہوا یعنی اس درّہ میں جس میں ابوطالب کا گھر تھا اور چونکہ حضور ﷺ اس گھر میں سکونت رکھتے تھے تو بہ لحاظ سکونت سفر کا آغاز حضور ﷺ کے مسکن یعنی گھر سے ہوا اور باقاعدہ سفر مسجد حرام سے شروع ہوا، اور مسجد حرام میں بالخصوص اُس جگہ سے جو "حجر و حطیم" کہلاتا ہے۔

تعین سال (زمان سفر معراج) :

یہ سفر کس سال پیش آیا؟ مختار قول یہ ہے کہ معراج کا واقعہ ہجرت سے ایک سال پہلے پیش آیا یعنی نبوت کے بارہویں سال۔ امام نوویؒ نے فتاوٰی میں اِس کو مختار کہا اور ابن حزم نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔

تعین ماہ :

معراج کس مہینے میں ہوئی؟ اس میں اگرچہ ربیع الاول، ربیع الآخر، رمضان اور شوال کے اقوال بھی موجود ہیں لیکن امام نوویؒ نے کتاب الروضہ میں ماہِ رجب کو ترجیح دی ہے۔ رجب میں ۲۷ ر رجب کی تاریخ کو ابن عبدالبر نووی عبدالغنی المقدسیؒ نے ترجیح دی ہے۔

تعین رات :

اگرچہ اس میں سنیچر اور جمعہ کی شب کی روایت ضعیفہ بھی مذکور ہے لیکن مختار قول یہ ہے کہ معراج کا واقعہ پیر کی رات کو پیش آیا۔ ابن اثیر اور ابن منیر نے اسی کو مختار کہا ہے۔

کیفیت سفر معراج :

یہ سفر جسم و رُوح دونوں کے ساتھ بیداری میں ہوا۔ یہی قول جمہور اہلِ اسلام علماء محققین صحابہ اور تابعین کا ہے۔ اس کے برخلاف بعض اہلِ الحاد نے اس کو خواب یا رُوحانی واقعہ قرار دیا ہے اور اس کا حضرت عائشہؓ اور حسن بصریؒ کی طرف انتساب کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں، البتہ حضرت عائشہؓ اور حضرت معاویہؓ کی روایت صحاح ستہ میں نہیں ہے۔ سیرۃ ابن اسحاق میں مذکور ہے۔ دونوں کے متعلق صحیح رائے یہ ہے کہ ثابت نہیں ہیں۔ حضرت عائشہؓ کی روایت کے متعلق رُوح المعانی میں مذکور ہے "لعله لم یصح عنها كما في البحر" شاید یہ روایت درست نہیں جیسے کہ تفسیر

بحرالمحیط میں ہے میں کہتا ہوں کہ حضرت عائشہؓ سے روایت کی سند ان الفاظ میں مذکور ہے۔'' حدثنی بعض اٰل ابی بکر '' یہ روایت مجھ کو ابوبکرؓ کے خاندان والوں میں سے کسی سے پہنچی ہے وہ شخص جو ابوبکرؓ کے خاندان سے تھا مذکور نہیں تا کہ اس کو جانچا جائے۔ راوی نے یہ روایت خود حضرت عائشہؓ سے نہیں سنی لہٰذا اُصولِ حدیث کے قواعد کے تحت یہ روایت منقطع، مجہول اور مردود ہے۔

حضرت معاویہؓ کی روایت : حضرت معاویہ کی روایت کی سند سیرۃ ابن اسحاق عن یعقوب بن عقبۃ بن المغیرہ بن الاخنس یعنی امیر معاویہؓ سے روایت کرنے والا راوی یعقوب بن عقبہ ہے جس کی امیر معاویہ سے نہ ملاقات ہے اور نہ ہی اُس نے اس کا زمانہ پایا۔ ائمہ رجال نے لکھا ہے هو لم يدرك زمن معاويةؓ اس راوی نے حضرت معاویہؓ کا زمانہ نہیں پایا لہٰذا یہ روایت منقطع مجہول اور مردود ہوئی۔ اس لیے نہ حضرت عائشہؓ سے یہ ثابت ہے کہ یہ واقعہ خواب کا ہے اور نہ حضرت معاویہؓ سے۔ لہٰذا ان حضرات کی طرف سے بیداری میں معراج کے سفر کا انکار غلط ہے۔

درایت :

درایت اور عقل کے لحاظ سے بھی حضرت معاویہؓ کے واقعہ معراج کی بیداری کا انکار غلط ہے۔ واقعہ معراج بالاتفاق ہجرت سے قبل کا ہے اور کم از کم ایک سال ہجرت سے پیشتر کا ہے۔ اُس وقت حضرت عائشہ صغیرۃ السن اور بچی تھیں اور حضور ﷺ کی زوجیت میں داخل نہیں ہوئی تھیں۔ حضرت معاویہؓ واقعہ معراج کے وقت مشرف بہ اسلام نہیں ہوئے تھے بلکہ واقعہ معراج سے آٹھ نو سال بعد مشرف بہ اسلام ہوئے۔ لہٰذا واقعہ معراج میں اُن صحابہ کرام کی روایت ہی صحیح ہے جو اُس واقعہ کے وقت بڑی عمر کے تھے اور مشرف بہ اسلام تھے اور خود حضور علیہ السلام سے جو کہ صاحب واقعہ تھے انہوں نے واقعہ کی حقیقت سنی تھی۔ وہ سب روایات صاف دلالت کرتی ہیں کہ یہ واقعہ بیداری اور جسمانی شکل میں پیش آیا۔ نیز رؤیت باری کے متعلق حضرت عائشہؓ کا انکار اور استدلال بھی جو صحیحین میں مذکور ہے اِس امر کی دلیل ہے کہ حضرت عائشہؓ اس سفر کے بیداری اور جسمانی صورت میں ہونے کی قائل تھیں، صرف آنکھ کے ذریعہ اللہ کو دیکھنے میں متردّد تھیں ورنہ خواب میں خدا کے دیکھنے کا کون انکار کر سکتا ہے۔

اہلِ الحاد کے استدلال رؤیا وغیرہ پر بحث :

حدیث شریک '' انا بين النائم واليقظان '' یا روایت '' فاستيقظ '' کہ میں نیند اور بیداری کی حالت میں تھا یا یہ کہ پھر حضور ﷺ جاگے۔ اس کا جواب اولاً یہ ہے کہ شریک راوی کثیر الغلط ہے اور محدثین نے اس روایت میں اس کی غلطی کی تصریح کی ہے کہ اس نے اپنے بیان میں بے ترتیبی کی ہے۔ دوم یہ کہ امام قرطبیؒ نے اسی حالت کو ابتداء پر

محمول کیا ہے کہ جب سفر معراج کے لیے تشریف لے جانے لگے تو آپ نینداور بیداری کی درمیانی حالت میں تھے پھر بیدار ہوئے یا محدثین کے نزدیک انتہاء سفر پر محمول ہے۔ جب حضور علیہ السلام نے سفر معراج طے کیا اور واپس مسجد حرام تشریف لائے تو تھکان کی وجہ سے سو گئے پھر بیدار ہوئے۔ اس تطبیق کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ عام مشہور روایات جو اس سفر کی بحالت ِ بیداری جسمانی طور پر ہونے پر دال ہیں ، یہ روایت اُن کے مطابق ہوجائے۔ ورنہ شریک راوی کی روایت کو غلطی پر محمول کرنا پڑے گا کہ اُس نے ابتداء سفر یا انتہاء سفر کی حالت کو درمیانی واقعہ میں بیان کیا ہے۔ اسی طرح قرآنِ پاک کی آیت وما جعلنا الرؤیا التی اریناک الا فتنة للناس والشجرة الملعونة فی القرآن ''ہم نے نہیں کیا اِس دکھاوے کو جو آپ نے دیکھا اور بُرا درخت (جس پر لعنت ہے قرآن میں) مگر لوگوں کے امتحان ایمان کے لیے''۔ اہلِ زیغ اور الحاد نے جس طرح شریک کی مخلوط روایت سے استدلال کیا اِسی طرح اس آیت سے بھی استدلال کیا کہ قصہ معراج منامی واقعہ ہے کیونکہ معراج کے واقعہ کے لیے آیت مذکور میں لفظ رؤیا استعمال کیا گیا ہے وہ خواب کے معنی میں ہے، یہ استدلال بھی غلط ہے۔ اس وجہ سے کہ یہ لفظ دکھاوے کے معنی میں عربی زبان میں استعمال ہوتا ہے خواہ خواب میں دیکھنا ہو یا بیداری میں ہو۔ امام لغت صاحب قاموس نے تصریح کی ہے کہ لفظ رؤیا جسم کی آنکھ سے دیکھنے کے معنی میں آتا ہے۔ نیز شعرائے قدیم میں سے راعی نے رؤیا کو آنکھ سے دیکھنے کے معنی میں استعمال کیا ہے۔ وہ شکاری کی تعریف کر کے لکھتا ہے ؎

وکبر للرؤیا وھش فؤادہٗ   وبشر قلبا کان جمّا بلا بلہٗ

''شکاری نے شکار کو دیکھ کر اللہ اکبر کہا اور اس کا دل خوش ہوا اور ایسے دل کو خوشخبری سُنائی جس کی پریشانیاں بہت تھیں''۔

اس شعر میں جسمانی طور پر دیکھنے کے لیے لفظ ''رؤیا'' کو استعمال کیا گیا ہے۔ متنبی شاعر نے بھی اسی معنی میں رؤیا کو استعمال کیا ہے۔ وہ اپنے ممدوح بدر بن عمار کی تعریف میں کہتے ہیں ؎

مضی اللیل والفضل الذی لک لا یمضی   ورؤیاک احلی فی العیون من الغمض

''رات ختم ہوئی اور تیری خوبی ختم نہیں ہوتی۔ تیرا دیکھنا آنکھوں میں نیند سے زیادہ شیریں ہے''۔

یہاں لفظ رؤیا بیداری کی حالت میں استعمال ہوا۔ ان دلائل سے قطع نظر اگر لفظ رؤیا خواب اور بیداری دونوں حالتوں کے دیکھنے کے لیے مشترک ہے تو خود قرآن نے اس کے بیداری کی حالت میں دیکھنے کے معنی متعین کر دیے کہ قرآن نے اس دکھاوے کو جو حضور علیہ السلام نے معراج میں دیکھا فتنة للناس کہہ کر امتحان ایمان قرار دیا اور بموجب روایت اہلِ مکہ نے امتحانًا حضور ﷺ سے بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ کے احوال دریافت کیے۔ اگر یہ خواب کا واقعہ ہوتا تو

اس میں نہ فتنہ تھا نہ ایمان کا امتحان اور نہ دریافت کی ضرورت۔ خواب میں تو اس سے بڑے واقعات بھی قابلِ تعجب نہیں ہوتے۔ معلوم ہوا کہ واقعہ بیداری کا تھا۔

قرآن سے جسمانی معراج کا ثبوت :

قرآن حکیم نے سورۃ بنی اسرائیل میں واقعہ معراج کو اس انداز میں بیان کیا ہے جس سے معراج کا جسمانی ہونا خود بخود واضح ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ابتداء سفر سے لے کر انتہاء سفر تک آپ ﷺ کی ایک جیسی حالت تھی۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ اس واقعہ کا کچھ حصہ جسمانی طور پر بیداری میں ہو اور کچھ رُوحانی ہو اور خواب ہو۔ سورہ بنی اسرائیل کی آیت یہ ہے:

سبحان الذی اسرٰی بعبدہٖ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی بارکنا حولہٗ لنریہ من اٰیاتنا......الخ

اس قرآنی ارشاد میں جسمانی معراج کی وجوہات حسبِ ذیل ہیں :

(۱) واقعہ کا آغاز لفظ "سبحان" سے ہوا ہے جو تعجب کے لیے اور اظہارِ قدرت کے لیے استعمال ہوتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ معراج تعجب انگیز بھی ہے اور ظہورِ قدرتِ خداوندی کی نشانی بھی ہے اور یہ اُس صورت میں ممکن ہے کہ واقعہ معراج جسمانی ہو خواب نہ ہو کیونکہ خواب کیسا بھی ہو اُس میں اللہ کے اعتبار سے نہ تعجب انگیزی ہے اور نہ اس عظیم قدرت کا ظہور۔

(۲) "بعبدہ" کے لفظ میں ظاہر کیا گیا کہ اس واقعہ کا تعلق جسم اور روح دونوں سے ہے کیونکہ عبد روح وجسد دونوں کے مجموعے کا نام ہے۔ نہ صرف رُوح کا، ورنہ خدا یوں فرماتا "اسرٰی بروحہٖ" لفظ "عبدہٖ" عبادت سے ہے اور عبادت جسم اور رُوح کے مجموعے سے متعلق ہے جیسے سورۃ جن میں حضور علیہ السلام کے بارے میں آیا ہے : وانّہٗ لما قام عبداللّٰہ یا سورۃ اقرأ میں ارایت الذی ینھی عبداً اذا صلی . "عبد" سے حضور علیہ السلام کا مجموعہ رُوح وجسد مراد ہے۔ اسی طرح قرآن میں جہاں کہیں لفظ عبد آیا ہے رُوح وجسم کے مجموعے کے لیے استعمال ہوا ہے تو واقعہ معراج میں بھی وہی معنی مراد ہیں۔

(۳) تیسری وجہ لفظ "اسراء" ہے جو قرآن اور لغتِ عرب میں رُوح اور جسم کے مجموعے کو رات کے وقت لے جانے کا نام ہے۔ جیسے حضرت لوط علیہ السلام کو قرآن میں ارشاد ہے "فاسر باھلک" آپ اپنے اہل کو رات کے وقت لے چلو، نہ یہ کہ اُن کی رُوح کو لے چلو۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خدا کا حکم ہوا "ان اسر بعبادی لیلاً انکم متبعون" اے موسیٰ (علیہ السلام) میرے بندوں کو رات کے وقت لے چلو یقیناً تمہارا تعاقب کیا جائیگا۔ ان دونوں

آیتوں میں وہی لفظ آیا ہے جو واقعہ معراج کے بیان میں آیا ہے یعنی ''اسراء'' کا لفظ، لیکن دونوں جگہ جسمانی سیر مراد ہے نہ کہ خواب یا روحانی سیر، اسی طرح واقعہ معراج کو بھی سمجھنا چاہیے۔

واقعہ معراج پر عقلی بحث :

اس واقعہ پر عقلاً چند شبہات پیش کیے جا سکتے ہیں :

(۱) اس واقعہ کا مقصد اگر خدا کو دیکھنا تھا تو یہ اس سفر کے بغیر بھی ممکن تھا، سفر کرانے کی کیا ضرورت تھی؟ جواب اولاً یہ ہے کہ قرآن نے مقصدِ سفر بیان کیا ہے ''لنریہ من ایاتنا'' کہ اس سفر کا مقصد عالم بالا کی اشیاء کا دکھانا تھا جن کے دیکھنے سے اللہ کی عظیم قدرت کا ظہور ہوتا ہے مثلاً عرش، قلم، لوحِ محفوظ، سدرۃ المنتہٰی، جنت وغیرہ۔

(۲) دوم یہ ہے کہ عالمِ بالا جو گناہوں سے پاک ہے اور عجائباتِ قدرت کا محل ہے، وہاں لے جانے میں خاتم الانبیاء علیہم السلام کے اعزاز و اکرام کا ظہور ہے۔

دوسرا شبہہ یہ ہے کہ اس سفر میں حر وقر یعنی گرمی اور سردی سے بحفاظت کا کیا انتظام تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ذلیل انسان نے جب ائیر کنڈیشن کے ذریعے گرمی سردی کا انتظام کیا ہے تو قادر مطلق اور خالق کائنات کے لیے یہ کیوں ناممکن ہے جس کے ارادے کے آگے تمام قوانین طبعیہ زیر فرمان اور مسخر ہیں۔ محققین یورپ نے تصریح کی ہے کہ جس ذات نے قوانینِ طبعیہ بنائے ہیں اُن میں اس کو مداخلت اور تبدیلی کا بھی حق حاصل ہے۔ ہم نے ان کے مکمل حوالہ جات دوسری تصنیفات میں لکھے ہیں اور کسی قدر میری کتاب علومِ قرآن میں بھی موجود ہیں۔

تیسرا شبہہ یہ ہے کہ ایسا طویل سفر تھوڑے وقت میں کیونکر ممکن ہو سکتا ہے؟ اس شبہ کے جوابات حسبِ ذیل ہیں :

(۱) فلاسفہ قدیم و جدید اس امر پر متفق ہیں کہ حرکت کی تیزی اور سرعت کے لیے عقلاً کوئی حد مقرر نہیں کی جا سکتی۔ جس زمانے میں جس قدر حرکت ممکن ہو اس زمانے کے کروڑویں حصے میں بھی وہ حرکت ممکن ہے۔ اس بناء پر سرعتِ حرکتِ معراجیہ پر شبہہ کرنا اور اس کو ناممکن قرار دینا دونوں فلسفوں کے خلاف ہے، البتہ مشاہدہ میں ایسی تیز حرکت نہ آنے کی وجہ سے یہ سفر تعجب انگیز ضرور ہے جیسے جدید تیز رفتار میزائل قبل از مشاہدہ پہلے زمانے میں محل تعجب تھے لیکن اب نہیں۔

(۲) اس سفر میں جو سواری استعمال ہوئی ہے اُس کو براق کہا جاتا ہے اور برق اور بجلی کی تیز رفتاری ضرب المثل ہے۔ پھر براقیت کے بھی مختلف درجات ہیں اگرچہ عالمِ سفلی کی بجلی ہو۔ لیکن اگر یہ براقیت عالمِ علوی کی ہو جن کی قوت

ماوراءالعقل ہےتواس کی سرعت بے نظیر ہوگی بالخصوص جبکہ حدیث کے مطابق حدنگاہ کی دوری اس کے لیے ایک قدم تھا۔

(۳) اس سواری کا اولاً شوخی کرنا اور پھر جبرائیلؑ کے بتلانے پر شرم وحیا کی وجہ سے پسینہ پسینہ ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ یہ سواری صاحبِ عقل تھی۔اگر چہ عقل کو خدا ہر چیز میں پیدا کرسکتا ہے بلکہ ہر چیز میں کسی قدر ہے جیسے **کل قد علم صلا تہٗ وتسبیحہ** کائنات کی ہر چیز اپنی دُعاء وتسبیح کو جانتی ہے، سے معلوم ہوتا ہےلیکن یہ ہوسکتا ہے کہ ملکی قوت کو اس سواری کی شکل میں متجسد کردیا گیا ہواور یہ سواری ملکی قوت کا مجسمہ ہواور ملائکہ کے لیے یہ مسافت طے کرنا ایک لحہ کا کام ہے۔

(۴) شاہ ولی اللہؒ اور دیگر محققین صوفیہ کے بیان کے مطابق جسم پر بعض اوقات رُوح کے احکام غالب آتے ہیں جبکہ رُوح زیادہ پاک اور لطیف ہو۔ایسی صورت میں جسم اپنا ثقل چھوڑ کر تابع رُوح بن جاتا ہے۔خود اس احقر کے ایک فاضل متقی مرید مولوی بشیر احمد لائل پوری کو دورانِ ذکر یہ حالت پیش آئی یہاں تک کہ بدن کا ثقل اور دباؤ ختم ہوگیا اور وہ چارپائی جو پہلے بیٹھنے سے دبتی تھی اُس حالت کے بعد چارپائی نہیں دبتی تھی۔اس مضمون کو صدر شیرازی نے اسفاء اربعہ میں مدلل بیان کیا ہےتو حضور علیہ السلام کی رُوح جو افضل الارواح ہے۔اس کے بھی احکام بدنِ حضور علیہ السلام پر غالب آگئے اور جس طرح رُوح کے لیے ملائکہ کی طرح تھوڑے وقت میں عالمِ بالا کو پہنچنا آسان ہے، حضور علیہ السلام کے لیے بھی واقعہ معراج میں ایسا ہوا اور گویا سواری کا ہونا اس صورت میں فقط اعزاز کے لیے تھا۔

(۵) قدیم فلسفہ میں پتھر کا اُوپر سے زمین پر جلد پہنچنا میلانِ مرکز کا نتیجہ ہے اور جدید فلسفہ میں کشش زمین کا نتیجہ ہے۔تو یہ بھی ممکن ہے کہ واقعہ معراج میں روحِ محمدی ﷺ کو بوجہ کششِ عرش یا کششِ الٰہی کے دفعۃً عالمِ بالا میں پہنچنے کی نوبت آئی ہو اور سواری صرف اعزاز واکرام کے لیے ہو یا دونوں چیزوں کو دخل ہو۔

(۶) احادیثِ صحیحہ میں روانگئ معراج سے قبل حضور علیہ السلام کا شقِ صدر کیا گیا اور سینہ آپ کا چیر کر اس میں عالمِ علوی کی کوئی چیز ڈال دی گئی جس سے آپ کی رُوحانی قوت میں اضافہ مقصود تھا اور آپ کی ذات میں اس عجیب سفر کے لیے قابلیت اور استعداد پیدا کرکے وہ قوت عطا کرنی بھی مقصود تھی جو ملائکہ کو حاصل ہے تاکہ تھوڑے وقت میں ملائکہ کی طرح یہ سفر بآسانی طے ہوسکے۔اگر چہ یہ قوت ملکی آپ کے لیے وقتی ضرورت کے تحت ہو اور ملائکہ کے لیے دائمی، کیونکہ اُن کی آمدورفت کی ضرورت عالمِ بالا کو دائمی ہے۔

(۷) رُوحِ محمدی جو الطف الاشیاء ہے۔اس کا ایک رات میں جسم پر اثر ڈال کر ایک رات میں طویل سفر کرنا اس کی نظیر لطیف اشیاء میں موجود ہے۔سورج کی شعاع نو کروڑ تیس لاکھ میل چند سیکنڈ میں طے کرکے زمین پر پہنچتی ہے اور شعاعِ بصری اربوں بلکہ کھربوں میل دور کے ستاروں تک آنکھ کی جھپک میں پہنچ جاتی ہے۔

احسان دانش

شبِ معراج

گردوں پہ تھا اُس خاک کا چرچا شبِ معراج
جاگا تھا مدینے کا نصیبا شبِ معراج

اجمال تھا "تفصیلِ صفاتی" سے گریزاں
کس جوش میں تھا ذات کا دریا شبِ معراج

ہر سانس پہ کھلتے تھے خلاؤں میں دریچے
ہر ذرۂ خاکی تھا ستارا شبِ معراج

تھی عرش پہ انسان کے پاپوش کی آہٹ
دُنیا کے محاصل میں تھی عقبیٰ شبِ معراج

لمحات کے سانچوں میں سمٹ آئی تھیں صدیاں
"امروز" تھا آئینۂ فردا شبِ معراج

جلوے بھی نہ تھے عابد ومعبود میں حائل
بے واسطہ تھے بندہ و مولا شبِ معراج

ہرسُو تھے خلاؤں میں رَواں کیف کے جھونکے
تھی کاہکشاں نُور کا دریا شبِ معراج

خوش کام تھے اطراف و جوانب کے مناظر
تھی لاکھ سویروں کا سویرا شبِ معراج

پھولوں میں بڑھا رنگ ستاروں میں تجلی
بر آئی دو عالم کی تمنا شبِ معراج

وہ موجۂ گرداب تھے الطاف و کرم کے
ناپید تھا رحمت کا کنارا شبِ معراج

پائی نہ رُسولانِ سلف نے یہ بلندی
تھا زیرِ قدم عرشِ مُعلّٰی شبِ معراج

اللہ نے خود چشمِ پیمبر سے اُٹھایا
موہومیتِ خلق کا پردا شبِ معراج

اِک سمت تو اُمّت کے گناہوں پہ نظر تھی
اِک سمت سرمایۂ عقبیٰ شبِ معراج

تھی اپنے شبابوں پہ بایمائے خداوند
ضَو ریزئ مہتاب و ثریّا شبِ معراج

ہر بات سے اِک بات کا امکان تھا روشن
ہر حسن سے سو حسن تھے پیدا شبِ معراج

اس بات میں خاموش ہیں اب تک کے مہندس
کس رُخ پہ بہا وقت کا دھارا شبِ معراج

اس اَوجِ نبوت کی خبر کس کو تھی دانشؔ
اللہ رے انسان کا رُتبہ شبِ معراج

بمقام دارالعلوم مدنیہ رسول پارک ملتان روڈ لاہور

بتاریخ یکم شعبان تا ۱۹ رمضان المبارک بااسلوب امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ

دورۂ تفسیر قرآن

شیخ الحدیث والتفسیر
حضرت مولانا مفتی محمد عیسی خان
نہایت شرح و بسط سے پڑھائیں گے
دامت برکاتہم العالیہ

موضوع سور | دعاوی | دلائل | ہر سورۃ کا ماحصل

سور کا باہمی ربط | احکام و استنباط | اشتباہ و تاویل | سیاست امامت و خلافت

پیش آمدہ جدید فقہی مسائل و دیگر اہم مباحث مدنظر ہونگے

اجمالی تعارف دارالعلوم مدنیہ لاہور

- دارالعلوم مدنیہ کیلئے دسمبر 1975ء میں قطعہ ارضی خریدا گیا۔
- دارالعلوم مدنیہ کی مسجد کا سنگ بنیاد ۳ ذی قعدہ ۱۳۹۷ھ مطابق 14 اکتوبر 1977ء بروز اتوار وقت کے مشاہیر علماء کرام و مشائخ عظام کے مبارک ہاتھوں رکھا گیا۔
- ابتدائی پانچ سال بانی مدرسہ حضرت مولانا محب النبی صاحب زید مجدہ تمام تدریسی و انتظامی امور یہاں تنہا سر انجام دیتے رہے۔
- 3 اکتوبر 1981ء کے بعد تقریباً ہر سال طلباء کی کثرت اور درس نظامی کے درجات میں ترقی کے باعث مدرسین و ملازمین میں اضافہ ہو رہا۔
- 1996ء ۱۴۱۷ھ کو شعبان و رمضان میں دورہ تفسیر کا آغاز ہوا جو مسلسل جاری ہے۔ جس میں علماء و کالج و یونیورسٹیوں کے طالب علم اور درس نظامی کے منتہی طالب علم شریک ہوتے ہیں۔ امتحان میں کامیاب ہونے والے حضرات کو اسناد دی جاتی ہیں۔
- دس سال کی قلیل مدت میں دارالعلوم علمی ترقی کی منازل طے کر کے موقوف علیہ تک جا پہنچا
- وفاق المدارس العربیہ سے الحاق نہ ہونے کے باوجود دارالعلوم میں داخل طلباء کی تعداد تین سو سے متجاوز ہے۔
- دارالعلوم میں مقیم طلباء کو رہائش، طعام، لباس، علاج، درسی کتب، صابن وغیرہ تمام سہولیات مدرسہ کی طرف سے مفت فراہم کی جاتی ہیں۔
- اس وقت مدرسہ میں ۱۸ اساتذہ، ۲ خادم مسجد، ایک ناظم، ۳ باورچی، ایک اکاؤنٹنٹ اور ۲ دربان پر مشتمل ۲۷ افراد کا عملہ کام کر رہا ہے۔
- سالانہ اخراجات کا تخمینہ ۳۰ لاکھ سے زائد ہے۔ تعمیراتی اخراجات اس کے علاوہ ہیں۔ دار القرآن والے احاطہ میں کمروں کی تعمیر جاری ہے۔
- تمام اخراجات اہل خیر کے تعاون سے پورے ہوتے ہیں۔ مدرسہ کی مستقل آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں اور نہ ہی مدرسہ کی طرف سے کوئی مستقل سفیر اندرون شہر یا بیرون شہر متعین ہے۔ اور نہ ہی مدرسہ کسی حکومتی ادارے سے محکمہ زکوٰۃ وغیرہ سے تعاون لیتا ہے اہل خیر خود ہی تعاون فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

منجانب: اراکین دارالعلوم مدنیہ رسول پارک لاہور 042 7832305

پہنچنے کا راستہ: یادگار چوک سے مانگا والی ویگن اسٹیشن سے ویگن نمبر 9 کو کا کولا موڑ مغرب کی طرف گلی میں

۱۵ ر شعبان المبارک

دُعائے مشائخ در شبِ براءت

مشائخ سے شب براءت کے سلسلہ میں ایک دُعا منقول ہے جو پندھوریں شب کو کی جاتی ہے۔ مولانا سید عبدالحیؒ ''سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ (والد بزرگوار حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ) نے اس پر کچھ روشنی ڈالی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ :

''شعبان کی پندرھویں شب کو نماز پڑھنا اور دن کو روزہ رکھنا مسنون ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مبارک شب میں آسمان دُنیا سے غروب آفتاب سے صبح صادق تک تجلی فرماتا ہے اور ارشاد ہوتا ہے کہ جو شخص اپنے گناہوں کو بخشوانا چاہتا ہے وہ آئے میں اُس کے گناہوں کو بخش دوں گا۔ جو شخص رزق حاصل کرنا چاہتا ہے میں اُس کو روزی دوں گا۔ جو کسی مصیبت میں مبتلا ہو اُس کو تندرست کروں گا''۔

بزرگوں سے ثابت ہے کہ وہ شب براءت کو نمازِ مغرب کے بعد سورہ یٰسین تین بار پڑھتے ہیں۔ اول بار عمر درازی کی نیت سے، دوسری بار بلاؤں کے دفع کرنے کے واسطے، تیسری بار خدا کے سوا کسی اور کا محتاج نہ ہونے کے لیے اور ہر بار سورہ یٰسین کے بعد ذیل کی دُعا ایک بار پڑھتے ہیں۔ اِس دُعاء کی برکت سے اللہ تعالیٰ اُن کی حاجت روائی فرماتا ہے اور سال بھر تک تمام مصیبتوں سے محفوظ رکھتا ہے۔ مجھ کو مشائخ سے دُعا پہنچی ہے میں تمام مسلمانوں کو جو اس کے پڑھنے کے خواہش مند ہوں اجازت دیتا ہوں۔ احقر نفیس الحسینی

اَللّٰھُمَّ یَاذَاالْمَنِّ وَلَا یُمَنُّ عَلَیْکَ یَاذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ یَاذَاالطَّوْلِ وَالْاِنْعَامِ لَآاِلٰہَ اِلَّآاَنْتَ ظَھْرَاللَّاجِئِیْنَ وَجَارَ الْمُسْتَجِیْرِیْنَ وَاَمَانَ الْخَائِفِیْنَ اَللّٰھُمَّ اِنْ کُنْتَ کَتَبْتَنِیْ عِنْدَکَ فِیْ اُمِّ الْکِتَابِ شَقِیًّا اَوْ مَحْرُوْماً اَوْ مَطْرُوْدًا اَوْ مُقْتَرًا عَلَیَّ فِی الرِّزْقِ فَامْحُ اَللّٰھُمَّ بِفَضْلِکَ شَقَاوَتِیْ وَحِرْمَانِیْ وَطَرْدِیْ وَ اِقْتَارَ رِزْقِیْ وَاَثْبِتْنِیْ عِنْدَکَ فِیْ اُمِّ الْکِتَابِ سَعِیْداً مَّرْزُوْقاًمُّوَفَّقاً

لِلْخَیْرَاتِ فَاِنَّکَ قُلْتَ وَقَوْلُکَ الْحَقُّ فِیْ کِتَابِکَ الْمُنَزَّلِ عَلٰی لِسَانِ نَبِیِّکَ الْمُرْسَلِ یَمْحُوا اللّٰهُ مَایَشَآءُ وَ یُثْبِتُ وَعِنْدَهٗ اُمُّ الْکِتَابِ اِلٰهِیْ بِالتَّجَلِّی الْاَعْظَمِ فِیْ لَیْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ الْمُکَرَّمِ الَّتِیْ یُفْرَقُ فِیْهَا کُلُّ اَمْرٍ حَکِیْمٍ وَّیُبْرَمُ اَنْ تَکْشِفَ عَنَّا مِنَ الْبَلَاءِ مَانَعْلَمُ وَمَا لَا نَعْلَمُ وَمَا اَنْتَ بِهٖ اَعْلَمُ اِنَّکَ اَنْتَ الْاَعَزُّ الْاَکْرَمُ وَصَلَّی اللّٰهُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ.

ترجمہ : ''اے اللہ! اے احسان فرمانے والے، تجھ پر احسان نہیں کیا جاتا۔ اے عزت اور بزرگی والے۔ اے قدرت اور انعام والے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو پناہ لینے والوں اور امان طلب کرنے والوں اور ڈرے ہوؤں کی پناہ ہے۔ اے اللہ! اگر تو نے اپنی کتاب تقدیر میں میرا بد بخت ہونا یا نامُراد یا مردود ہونا یا میرے رزق کا تنگ ہونا لکھا ہے تو اے اللہ اپنے فضل سے میری بدبختی اور میری محرومی اور میری نامُرادی اور میرے رزق کی تنگی کے فیصلے کو مٹا دے اور اپنی کتاب میں میرے لیے نیک بخت ہونے، کشادہ رزق پانے اور نیکیوں کی توفیق پانے کا فیصلہ لکھ دے کیونکہ تو نے اپنے بھیجے ہوئے نبی ﷺ پر نازل کردہ کتاب میں فرمایا ہے اور تو سچ ہی فرماتا ہے کہ اللہ جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہتا ہے لکھ دیتا ہے اور اسی کے پاس کتاب تقدیر ہے۔ اے اللہ! تجھ سے اُس تجلی کے واسطے سے (سوال کرتا ہوں) جو شعبان کی پندرھویں رات میں (جس میں ہر حکمت والے معاملے کا فیصلہ کیا جاتا ہے) نازل ہوتی ہے کہ تو ہم سے ہر مصیبت ٹال دے جو ہم جانتے ہیں اور جو ہم نہیں جانتے اور جس کو تو زیادہ جانتا ہے۔ بے شک تو ہی عزت و بزرگی والا ہے اور درُود و سلام ہو ہمارے آقا محمد ﷺ اور آپ کی آل اور اصحاب پر''۔

شبِ براءت..........فضائل و مسائل

﴿ حضرت مولانا نعیم الدین صاحب، استاذ الحدیث جامعہ مدنیہ لاہور ﴾

ماہِ شعبان کی فضیلت :

یوں تو ہر دن ہر مہینہ ہر سال ہی محترم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا ہے مگر کچھ دن اور مہینے ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے خاص فضیلت عطا کی ہے اُن میں سے ایک مہینہ شعبان المعظم کا بھی ہے، اس مہینہ کی احادیثِ مبارکہ میں بڑی فضیلت آئی ہے۔ حضرت اُسامہ بن زیدؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : ''شعبان میرا مہینہ ہے اور رمضان اللہ تعالیٰ کا''۔ (مسند فردوس دیلمی)

حضرت انسؓ بیان فرماتے ہیں کہ جب رجب المرجب کا مہینہ شروع ہوتا تو آپ ﷺ یوں دُعا فرماتے : یا اللہ رجب اور شعبان کے مہینے میں ہمارے لیے برکت فرما اور خیریت کے ساتھ ہم کو رمضان تک پہنچا''۔ (ابن عساکر)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ ''جناب رسول اللہ ﷺ (شعبان میں) اتنے زیادہ روزے رکھتے کہ ہم کہتے کہ اب آپ افطار نہ کریں گے اور کبھی آپ افطار کیے جاتے (یعنی روزے ہی نہ رکھتے) یہاں تک کہ ہم کہتے کہ اب آپ روزے نہیں رکھیں گے اور میں نے آپ کو کسی مہینہ میں شعبان کے مہینے سے زیادہ (نفلی) روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا''۔ (بخاری و مسلم)

اس حدیث کے پیشِ نظر کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہوسکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ شعبان کے مہینے میں کثرت سے روزے کیوں رکھتے تھے؟ تو اس کی وجہ بھی حدیث میں موجود ہے، چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ حضرت اُسامہؓ نے ایک مرتبہ آپ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں آپ کو شعبان میں زیادہ روزے رکھتے ہوئے دیکھتا ہوں اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ ''شعبان ایسا مہینہ ہے جو رجب اور رمضان کے درمیان ہے لوگ اس کی فضیلت سے غافل ہیں، اس مہینہ میں اللہ رب العلمین کے حضور میں لوگوں کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں میری آرزو یہ ہے کہ جب میرے اعمال پیش ہوں تو میرا شمار روزہ داروں میں ہو''۔ (نسائی)

شبِ براءت کی فضیلت :

ماہِ شعبان المعظم میں ایک رات آتی ہے جو بڑی فضیلت والی رات ہے۔ اس رات کے کئی نام ہیں : (۱) لیلة البراءة یعنی دوزخ سے بری ہونے کی رات (۲) لیلة الصک یعنی دستاویز والی رات (۳) لیلة المبارکة یعنی

برکتوں والی رات۔ عُرفِ عام میں اسے ''شبِ براءت'' کہتے ہیں شب کے معنی فارسی زبان میں رات کے ہیں اور براءت عربی کا لفظ ہے جس کے معنی بری ہونے اور نجات پانے کے ہیں۔ یہ شعبان کی پندرھویں شب کو ہوتی ہے۔ احادیث مبارکہ میں اس شب کی بڑی فضیلت آئی ہے، ایک حدیث میں آتا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ شعبان کی پندرھویں شب کو آسمانِ دُنیا پر نزول فرماتے ہیں اور قبیلۂ بنو کلب کی بکریوں کے بالوں کی تعداد سے زیادہ گنہگاروں کی بخشش فرماتے ہیں''۔ (ترمذی وابن ماجہ)

کہتے ہیں کہ عرب میں اس قبیلہ کے پاس تقریباً بیس ہزار بکریاں تھیں، اندازہ فرمائیے کہ بیس ہزار بکریوں کے کتنے بال ہوں گے؟ اُن کا شمار کرنا بھی انسان کے بس کی بات نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس رات میں اتنے لوگ دوزخ سے بری کیے جاتے ہیں جن کو شمار نہیں کیا جا سکتا۔

ایک دوسری حدیث میں آتا ہے کہ ''جب شعبان کی پندرھویں شب آتی ہے تو (اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک اعلان کرنے والا اعلان کرتا ہے کہ کیا کوئی بخشش کا طلب گار ہے کہ میں اُس کو بخش دوں، کیا کوئی رزق مانگنے والا ہے کہ میں اسے رزق دوں، کیا کوئی مصیبت زدہ ہے کہ میں اُسے (تکلیف) سے نجات دوں، کیا کوئی ایسا ہے کیا کوئی ایسا ہے؟ غرض تمام رات اسی طرح دربار رہتا ہے اور عام بخشش کی بارش ہوتی رہتی ہے حتی کہ فجر ہو جاتی ہے (اور دربار برخاست ہو جاتا ہے)''۔ (بیہقی)

شبِ براءت میں کیا ہوتا ہے؟ :

حضورِ انور ﷺ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''تمہیں معلوم ہے شعبان کی اس (پندرھویں) شب میں کیا ہوتا ہے؟ اُنہوں نے دریافت کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا اس رات میں یہ ہوتا ہے کہ اس سال میں جتنے پیدا ہونے والے ہیں وہ سب لکھ دیے جاتے ہیں اور جتنے اس سال مرنے والے ہیں وہ سب بھی اس رات میں لکھ لیے جاتے ہیں اور اس رات میں سب بندوں کے اعمال (سارے سال کے) اُٹھائے جاتے ہیں اور اسی رات میں لوگوں کی (مقررہ) روزی اُترتی ہے''۔ (بیہقی)

ایک اعتراض اور اس کا جواب :

یہاں ایک اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ روزی وغیرہ تو پہلے سے لوحِ محفوظ میں لکھی جا چکی ہے پھر اس کا کیا مطلب کہ اس شب میں انسان کو ملنے والی روزی لکھ دی جاتی ہے۔ اس اعتراض کا جواب علماء نے یہ دیا ہے کہ اس شب مذکورہ کاموں کی فہرست لوحِ محفوظ سے علیحدہ کر کے ان فرشتوں کے سُپرد کر دی جاتی ہے جن کے ذمہ یہ کام ہیں۔ الغرض اس رات میں پورے سال کا حال قلمبند ہوتا ہے۔ رزق، بیماری، تنگی، راحت و آرام، دُکھ، تکلیف حتی کہ ہر وہ شخص جو اس سال

پیدا ہونے یا مرنے والا ہو اس کا وقت بھی اسی شب میں لکھا جاتا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ اس مہینے کی پندرہویں شب میں مَلک الموت (عزرائیل علیہ السلام) کو ایک رجسٹر دیا جاتا ہے اور حُکم دیا جاتا ہے کہ پورے سال میں مرنے والوں کے نام اس رجسٹر سے نقل کرلو۔ کوئی آدمی کھیتی باڑی کرتا ہے، کوئی نکاح کرتا ہے، کوئی کوٹھی اور بلڈنگ بنوانے میں مشغول ہے، مگر اس کو یہ بھی معلوم نہیں کہ میرا نام مُردوں کی فہرست میں لکھا جاچُکا ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا پندرہویں شب میں معمول :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ :

"ایک رات رسول اکرم ﷺ میرے گھر تشریف لائے اور لباس تبدیل فرمانے لگے لیکن پورا لباس اُتارا نہ تھا کہ پھر کھڑے ہوگئے اور لباس زیبِ تن فرمایا، اس پر مجھے سخت رشک آیا اور گمان ہوا کہ آپ میری کسی سوکن کے یہاں جا رہے ہیں، آپ کی روانگی کے بعد میں بھی پیچھے پیچھے چلی یہاں تک کہ میں نے آپ کو "بقیع غرقد" (جنت البقیع) میں اس حالت میں دیکھا کہ آپ مُسلمان مرد و زن اور شہداء کے لیے مغفرت طلب فرما رہے ہیں، یہ دیکھ کر میں نے دل میں کہا۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ اللہ کے کام میں مشغول ہوں اور میں دنیاوی کام میں لگی ہوئی ہوں اس کے بعد میں لوٹ کر اپنے حجرہ میں آئی۔ میں لمبی لمبی سانس لے رہی تھی کہ اتنے میں آپ تشریف فرما ہوئے اور فرمایا عائشہ کیا بات ہے سانس کیوں پھول رہا ہے؟ میں نے کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ تشریف لا کر لباس تبدیل فرمانے لگے، ابھی لباس اُتارنے بھی نہ پائے تھے کہ دوبارہ لباس زیبِ تن کیا اس پر مجھے رشک آیا اور خیال ہوا کہ آپ کسی اور زوجہ کے گھر تشریف لے جا رہے ہیں تا آنکہ میں نے آپ کو قبرستان میں دُعا میں مشغول دیکھا، اس پر آپ نے ارشاد فرمایا اے عائشہ کیا تمہیں یہ خوف ہے کہ اللہ اور اُس کا رسول تم پر کوئی ظلم و زیادتی کرے گا؟ واقعہ یہ ہے کہ جبریلؑ میرے پاس آئے اُنہوں نے کہا کہ آج شعبان کی پندرہویں شب ہے جس میں قبیلۂ بنو کلب کی بکریوں کے بالوں کی تعداد کے برابر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مغفرت فرماتے ہیں اور مشرک، کینہ ور، قطع تعلقی کرنے والے، بدسلوک، غرور سے زمین پر لباس گھسیٹ کر چلنے والے، والدین کے نافرمان اور عادی شراب خور کی طرف اس شب نظرِ کرم نہیں فرماتے، اس کے بعد آپ نے لباس اُتارا اور فرمایا اے عائشہؓ شب بیداری کی اجازت ہے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں میرے ماں باپ آپ پر قربان بصد شوق۔

چنانچہ آپ کھڑے ہوگئے اور عبادت کرنے لگے۔ دورانِ نماز ایک بڑا لمبا سجدہ کیا جس پر مجھے آپ کی قبضِ

رُوح کا گمان ہوا، میں اُٹھ کر آپ کو دیکھنے بھالنے لگی۔ میں نے آپ کے تلووں کو ہاتھ لگایا تو اُن میں حرکت تھی۔ اس پر مجھے خوشی ہوئی۔ میں نے آپ کو سجدہ میں یہ دُعا کرتے سُنا۔

"اَعُوْذُ بِعَفْوِکَ مِنْ عِقَابِکَ وَاَعُوْذُ بِرِضَاکَ مِنْ سَخَطِکَ وَ اَعُوْذُبِکَ مِنْکَ جَلَّ وَجْھُکَ لَآ اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ".

صبح کو میں نے آپ سے اِن دُعاؤں کا تذکرہ کیا تو فرمایا کہ ان دُعاؤں کو یاد کرلو اور دوسروں کو بھی ان کی تعلیم دو کیونکہ جبریلؑ نے مجھے یہ دُعائیں سکھائیں اور کہا کہ سجدہ میں یہ مکرر سہ کرر پڑھی جائیں"۔ (ماثبت بالسنۃ ص ۱۷۳)

شبِ براءت میں کن لوگوں کی بخشش نہیں ہوتی ؟ :

بہت سی حدیثوں میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ کچھ بدنصیب لوگ ایسے ہیں کہ اس برکت والی رات میں بھی رحمتِ خداوندی سے محروم رہتے ہیں اور ان پر نظرِ عنایت نہیں ہوتی۔ ذیل میں ایسے بدقسمت لوگوں کی فہرست پیش کی جاتی ہے تاکہ لوگوں کو عبرت حاصل ہو :

(۱) مُشرک (۲) جادُوگر (۳) کاہن و نجومی (۴) بغض اور کینہ رکھنے والا (۵) جلاّد (۶) ظلم سے ٹیکس وصول کرنے والا (۷) باجا بجانے والا اور اُن میں مصروف رہنے والا (۸) جُوا کھیلنے والا (۹) ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانے والا (۱۰) زانی مرد و عورت (۱۱) والدین کا نافرمان (۱۲) شراب پینے والا اور اُس کا عادی (۱۳) رشتہ داروں اور مسلمان بھائی سے ناحق قطع تعلق کرنے والا۔

یہ وہ بدقسمت لوگ ہیں جن کی اس بابرکت رات میں بھی بخشش نہیں ہوتی اور رحمتِ خداوندی سے محروم رہتے ہیں اس لیے ہر مسلمان کو چاہیے کہ اپنے گریبان میں مُنہ ڈالے اور غور و فکر کرے کہ کہیں اِن عیبوں میں سے میرے اندر تو کوئی عیب اور بُرائی نہیں، اگر ہو تو اس سے توبہ کرے اور حق تعالیٰ کی طرف رجوع کرے یہ خیال نہ کرے کہ میرے اتنے اور ایسے گناہ کیسے معاف ہوں گے یہ شیطانی خیال ہے۔

پندرہویں شعبان کے روزہ کا حُکم :

پیچھے گزر چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ شعبان میں کثرت سے روزے رکھا کرتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتے تھے۔ خاص طور پر پندرہویں شب کے روزے کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ سے آپ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ "جب شعبان کی پندرہویں شب آئے تو رات کو قیام کرو (یعنی نمازیں پڑھو) اور (اگلے) دن کا روزہ رکھو"۔ (ابن ماجہ)

شب براءت میں ہمیں کیا کرنا چاہیے اور کن کاموں سے بچنا چاہیے :

(۱) اس رات میں قیام کرنا یعنی نوافل پڑھنا مستحب ہے۔

(۲) قبرستان جانا اور مُسلمان مرد و زن کے لیے ایصالِ ثواب کرنا مستحب ہے۔

(۳) اگلے دن کا روزہ رکھنا مستحب ہے۔

اس شب میں صلوٰۃ التسبیح پڑھیں، تہجد پڑھیں اور اس بات کا خاص خیال رکھیں کہ عشاء اور فجر کی نماز ضرور جماعت کے ساتھ ادا کریں۔ ایسا نہ ہو کہ نفلوں میں تو لگے رہیں اور فرائض چھوٹ جائیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اکیلے قبرستان گئے تھے، اس لیے اکیلے جائیں اور صرف مرد جائیں عورتیں نہ جائیں۔ عورتوں کا قبرستان جانا جائز نہیں۔

بہتر ہے کہ شعبان کی ۱۳، ۱۴ اور ۱۵ تینوں دن کے روزے رکھ لیے جائیں انہیں "ایّامِ بیض" کہتے ہیں اور ان دنوں میں روزہ رکھنے کا بہت ثواب ہے۔

اس شب میں آتش بازی ہرگز نہ کی جائے اس کا سخت گناہ ہے اور یہ ہندوؤں کا کام ہے نہ کہ مسلمانوں کا۔ چراغاں نہ کیا جائے، کیونکہ اول تو یہ شریعت سے ثابت نہیں، دوسرے اس میں اسراف ہے۔ بہت سے لوگ اس شب میں بجائے عبادت کے حلوے مانڈے میں مصروف ہو جاتے ہیں شریعت سے اس شب حلوہ وغیرہ پکانے کا کوئی ثبوت نہیں۔ بہت سے لوگ مسجد میں اکٹھے ہو کر شور و غوغا کرتے ہیں اس سے بچا جائے اس کا سخت گناہ ہے۔ بہتر یہ ہے کہ نفلی عبادت خُفیہ کی جائے کہ دوسرے کو پتہ نہ چلے۔ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ اس شب میں اس طرح مسجد میں اکٹھے نہیں ہوتے تھے۔ سب اپنے گھروں میں ہی عبادت کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو سمجھنے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

❀❀❀

انتقالِ پُر ملال

مشہور طباخ جناب خالد حسن صاحب گزشتہ ماہ کی ۲۷ رتاریخ کو عارضہ قلب کی وجہ سے اچانک وفات پاگئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم تقریبات کے لیے کھانے پکانے کے بڑے ماہر تھے علماء کی تقریبات کا کھانا بہت شوق و ذوق سے پکاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرما کر آخرت میں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور اُن کے پسماندگان کی کفالت اور صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ جامعہ مدنیہ جدید اور خانقاہ حامدیہ میں مرحوم کے لیے ایصالِ ثواب اور دعائے مغفرت کرائی گئی۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین۔

قسط : ۲

اقبال کے آئینۂ گفتار میں

فرنگی تہذیب و جمہوریت کے خدوخال

﴿مولانا ڈاکٹر عبدالرحمٰن ساجد الاعظمی، استاذ مدرسہ عربیہ امدادیہ مراد آباد﴾

مغربی تہذیب آج اکثر عوام وخواص کی پہلی پسند بن چکی ہے، اب لباس تراش خراش حتیٰ کہ گفتار ورفتار میں بھی مغرب کی نقالی کا فیشن بن گیا ہے اور فکری مرعوبیت لوگوں کے دل ودماغ پر مسلط ہے۔ شاعر مشرق علامہ اقبال نے مغربی تہذیب کے مفاسد اور نقصانات پر اُمت کو اپنے حکیمانہ اشعار کے ذریعہ بار بار متنبہ کیا ہے، انہیں اشعار اوران کے پس پشت مضامین کا فاضل مضمون نگار نے احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے، اُمید ہے کہ یہ مضمون دل چسپی اور شوق سے پڑھا جائے گا۔ (مرتب)

کلیسا کے سفارت کاروں کی سرگرمیوں کا اصل مقصد "متاعِ غیر" کا حصول، اس کی تباہ کاری، یا حائل رکاوٹوں کو دور کرنا اور یہ جائزہ لینا ہوتا ہے کہ ہم اپنے مقاصد کیسے اور کس طرح حاصل کریں؟

عراق وایران کی جنگ :

۲۲ر ستمبر ۱۹۸۰ء میں صدام حسین کی فوجوں نے ایران پر حملہ کردیا، یہ جنگ کیوں ہوئی ؟ خود صدام کو بھی معلوم نہیں کہ اس جنگ کا پورا خاکہ خفیہ طور پر امریکہ کے نائب سیکرٹری دفاع وائن برگر (wine Burgar) نے تیار کیا ہے جس کا انکشاف اس نے ۱۹۹۱ء میں کیا (ہندوستان ٹائمز) کہ مغربی ایشیاء کے دو اہم ملکوں کو آپس میں لڑانے کے لیے جس میں ایک عراق ضرور شامل ہو خفیہ پلان تیار کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۲۲ر ستمبر ۱۹۸۰ء میں صدام نے ایران پر حملہ کردیا۔ اس کے بعد ۱۹۸۳ء میں اس وقت کے موجودہ امریکی ڈیفنس سیکرٹری رمس فیلڈ بغداد پہنچے، صدام حسین سے ملاقات کی، زہریلی گیس اور دوسرے کیمیکل ہتھیار سے صدام کو نوازا گیا۔ ۱۹۸۵ء میں برطانیہ نے عراق کو کیمیکل ہتھیار تیار کرنے والی فیکٹری کے بنانے میں مال واسباب فراہم کیے۔

صدام حسین فریبِ محبت کے اِس خفیہ جال میں پھنس کر ۲۰ر اگست ۱۹۸۸ء تک ایران سے برسرِ پیکار رہے، جس وقت عراق وایران کی جنگ کا خاتمہ ہوا تو تین لاکھ سے زیادہ عراقی، ۷ر لاکھ کے قریب ایرانی جان گنوا چکے تھے اور ۲۰ لاکھ سے زیادہ لوگ مفلوج وبیکار ہو چکے تھے۔

شاہ فیصل کا قتل :

شاید آپ کو یاد ہو کہ ۱۹۸۴ء میں جب سعودی عرب میں شاہ فیصل حکمران تھے اور امریکہ کے وزیرِ خارجہ ہنری کیسنجر تھے۔ شاہ فیصل نے مسلم ممالک کے فرمانرواؤں کی ایک کامیاب کانفرنس لاہور میں کی تھی، اس کانفرنس سے امریکہ کی جبیں شکن بارہ ہوگئی۔ اور اُسی وقت اُس نے دھمکی آمیز لہجے میں یہ کہہ دیا تھا کہ آئندہ امریکہ عربوں کے تیل پر قبضہ کرلے گا تو شاہ فیصل نے جوابی طور پر اپنے تمام پٹرولیم کے کنوؤں پر بم نصب کرادیئے تھے اور یہ اعلان کرادیا تھا کہ ہم پٹرولیم کے ذخیروں اور کنوؤں کو بموں سے اُڑادیں گے لیکن امریکہ کا قبضہ نہ ہونے دیں گے۔

اس اعلان کے بعد ہنری کیسنجر نے مغربی ایشیاء بالخصوص سعودی عرب کا دورہ کیا تھا اور عربوں کو اس بات کی یقین دہانی کرائی کہ امریکہ قطعی قبضہ نہیں کرے گا۔ کسی نے جھوٹ موٹ تفریحاً اس طرح کی بات کردی ہوگی اور پھر چند ماہ بعد شاہ فیصل کا قتل کرادیا گیا۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون.

کویت پر صدام کا حملہ :

عراق میں امریکی مندوب نے صدام حسین سے ملاقات کی۔ کیا گفت وشنید ہوئی کیا عہد و پیماں ہوئے؟ حالات سے بآسانی نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ چار روز کے بعد ۲ راگست ۱۹۹۰ء میں صدام حسین کی فوجیں کویت پر حملہ آور ہوگئیں۔

صدام حسین کی جنگی کارروائی کے پس پردہ امریکہ نے ریاض وغیرہ پر خود میزائیل داغے اور پھر میزائل شکن پیٹریاٹ بھی نصب کیے۔ اس پرفریب سفارت اور حکمتِ عملی سے امریکہ نے کویت اور سعودی عرب کی سرزمین کو ایک مضبوط ہمدرد کی حیثیت سے اپنی فوجوں کی آماجگاہ بنانے میں کامیابی حاصل کرلی۔

امریکہ کی اس مختلف الجہات ہمدردیوں کے جال میں پھنس کر آج صدام حسین زنداں میں ہیں عراق اُجڑ چکا ہے عوام غلامی کے شکنجے میں پھنس کر آپسی خانہ جنگی کے شکار ہیں۔ کویت کی باگ ڈور لٹیروں کے ہاتھ میں ہے، سعودی مملکت کشمکش سے دوچار ہے۔ امن وسکون کی فضاؤں میں انتشار اور اندرونی تصادم کا زہر گھولا جارہا ہے۔ کسی بھی عالمی منصوبے پر عمل آوری کے لیے سلطنت کی قاہر قوت کا بنیادی کردار ہوتا ہے جس کے ذریعے اسباب کی فراہمی اور کسی بھی مزاحمت کا تدارک آسان ہوجاتا ہے، جس کے آگے اصول اور ضابطے یا تو اپنا اعتبار کھودیتے ہیں یا استحکام پالیتے ہیں۔ مغرب کے خداؤں نے تہذیبِ نو کے جو اصناف تراشے، اُن کا مکمل خمیر فریب، جھوٹ اور سازش سے تیار کیا گیا۔ اس کو مقبولِ عام بنانے کے لیے آئین واصول کی جو دفعات بنائیں وہ بظاہر اتنی دل نشین کہ دنیائے انسانیت کو وہ اس طرح اپیل کرسکے کہ

ان کے وجود کی عملی حیثیت کے بارے میں کسی کو یہ شک بھی نہ گزرے کہ یہ کمزور اقوام اور اسلامی تہذیب پر شبخون مارنے کی خفیہ کمین گاہیں ہیں اور اس کے سہارے اقوام غالب کی سامراجیت کا وجود باقی ہے۔

یہ علم یہ حکمت یہ تدبر یہ حکومت پیتے ہیں لہو دیتے ہیں تعلیمِ مساوات

تعلیم مساوات، آزادی افکار ورائے اور حقوق انسانی کا تحفظ، اب تو یقین کر لیجیے کہ یہ نعرے ایک سراب اور دھوکہ ہیں۔

عراق، افغانستان، فلسطین، چیچنیا، بوسنیا اور کوسووا میں تڑپتی، سسکتی، دم توڑتی انسانیت کو دیکھ کر اب تو مان لیجیے کہ یہ مسلم اقوام کو قتل کرنے کے ابلیسی حربے ہیں۔

اس قوم میں ہے شوخیٔ اندیشہ خطرناک جس قوم کے افراد ہوں ہر بند سے آزاد

گو فکر خدا داد سے روشن ہے زمانہ آزادیٔ افکار ہے ابلیس کی ایجاد

ابلیس کے فرزندوں کی اِن ایجادات نے یہ دن دکھائے کہ مسلم معاشرے اور گھرانے میں جنم لینے والا بچہ بڑا ہوتے ہی اِن نعروں کی مسحور کن آوازوں سے متاثر ہو کر ہوش وخرد سے بیگانہ ہو جاتا ہے اور پھر ہوتا یہ ہے کہ

ان کو تہذیب نے ہر بند سے آزاد کیا لا کے کعبے سے صنم خانے میں آباد کیا

کعبہ کی چوکھٹ کو چھوڑ کر صنم خانوں کو آباد کرنے والو! کیا کبھی آپ نے سوچا کہ حقوق انسانی کی حفاظت پر جو ادارے مامور ہیں وہ کس ذہن کی پیداوار کس نظریے کے حامل ہیں؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ جرمنی اور اٹلی کے فاشزم اور نازی ازم کے اصولوں پر گامزن ہیں، یہی وجہ ہے کہ ع

ہو گیا مانندِ آب ارزاں مسلماں کا لہو

۱۴ر فروری ۲۰۰۳ء کو عراقی عوام کے قتل عام پر دنیا بھر کی سڑکوں پر ایک کروڑ پچاس لاکھ انسانوں نے مظاہرہ کر کے اس چشمۂ بے حیواں تہذیب کے علم برداروں سے چیخ چیخ کر یہ پوچھا تھا کہ تحفظ حقوق انسانی کا مطلب کیا ہے؟

اور آج عراق کی ابوغریب جیل میں عراقی قیدیوں کے ساتھ غیر انسانی بہیمانہ ظلم اور ناقابلِ معافی لرزہ خیز جرم کے مرتکب کون لوگ ہیں؟ ارض مقدس فلسطین میں نازک اندام عورتوں، معصوم بچوں، معذور بوڑھوں اور غیور نوجوانوں کو ہر روز قتل کرنے والے کس تہذیب کے ماننے والے ہیں اور وہ کس ہیومنزم، نیشنلزم، سوشلزم اور سیکولر ازم کے نمائندہ ہیں اور پھر ان بیشمار ازموں کا مقصد کیا ہے؟ اور ان کے غیر انسانی، اخلاق سوز طریقۂ عمل کا ہدایت کار کون ہے؟

دنیا کے ہر ہوش مند سلیم الطبع لوگوں نے کہا ''اقوام متحدہ (U.N.O.) جو بے رحم قاتل، خونخوار دہشت گرد اسرائیل کے خلاف مذمتی قرارداد تو پاس کرتا ہے مگر اِس کو اس ظلم پر سرزنش اور روک لگانے کے بجائے اس ظلم کو اس کا دفاعی

حق ٹھہرا کر کھلے عام اس کی حمایت کرتا ہے۔

لیکن اگر اتفاق سے انڈونیشیا میں مسلم اور عیسائی فساد میں عیسائیوں کو کچھ گزند پہنچ جاتا ہے تو فوراً تحفظِ حقوقِ انسانی کا واویلا مچا کر عالمی امن فوج لگادی جاتی ہے اور مشرقی تیمور کو محفوظ علاقہ اور علیحدہ ملک بنادیا جاتا ہے۔اس جابرانہ طرزِ عمل پر دنیا کی تمام مسلم قوموں اور امن پسند لوگوں نے فلسطین میں یہودیوں کی بربریت کے خلاف مظاہرہ کرکے فلسطینی ریاست کے قیام کا مطالبہ کیا۔اس ظلم اور ناانصافی کے باوجود اگر کسی نے اپنے ہونٹ سی لیے یا اقوام متحدہ کے ہر رَول کی حمایت کی یا اُن کا ساتھ دیا تو وہ تھے ہر طبقہ کے امراء فرمانروا

تری حریف ہے یا رب سیاستِ افرنگ مگر ہیں اُس کے پجاری فقط امیر و رئیس

آج دنیا کو شکوہ تو انھیں حکمرانوں سے ہے جو کچھ نہ جانتے ہوئے بھی اس خوش فہمی کے شکار ہیں کہ ہم دانشور اور روشن دماغ ہیں اور ہمارے فیصلوں کے خلاف اُنگشت نمائی کرنے والے آج کے تقاضوں سے ناواقف بلکہ بنیاد پرست یا دہشت گرد لوگ ہیں۔

آج کے مسلم حکمرانوں کے طریقۂ کار کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے انھیں اس بات کا یقین نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ ہی عزت وذلت اور موت وحیات کا مالک ہے بلکہ وہ اپنی پناہ گاہ، مقاصد کا حصول، مناصب کا تحفظ اور زندگی کی ضمانت دشمنانِ اسلام کی صفوں میں تلاش کررہے ہیں اور ظالم کے ساتھ تعاون کو اپنا منصبی فرض سمجھ کر اپنوں پر ستم رانیاں کررہے ہیں ایسے لوگ گوش ہوش سے صادق ومصدوق ﷺ کا یہ فرمان بھی سن لیں "من اعان ظالما سلّطه اللّٰه عليه" (ابن کثیر) جو شخص کسی ظالم کے ظلم میں اُس کی مدد کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُس کو اسی پر مسلط کردیتا ہے۔اس کی شہادت آج بالکل عیاں ہے اور ظالم کے ظلم کی حمایت کے حق میں نوشتۂ دیوار ہے۔آج کے مسلم حکمراں اسے پیشِ نظر رکھ کر اپنا محاسبہ کرلیں اور اس پر بھی نظر رکھیں کہ آپ کے لیے اقوامِ متحدہ کی حیثیت کیا ہے؟ اور کیا ہوسکتی ہے؟

اقوامِ متحدہ جو تحلیل شدہ مجلس اقوام کا دوسرا نام ہے اس کی حیثیت وحقیقت علامہ نے یوں بیان کی تھی۔

من ازیں بیش ندانم کہ کفن دزدے چند بہر تقسیمِ قبور انجمنے ساختہ اند

میں اِس کی حقیقت اس سے زیادہ نہیں سمجھتا کہ چند کفن چوروں نے قبروں کی تقسیم کے واسطے ایک انجمن بنالی ہے اور یہ کفن چور وہی پانچ افراد ہیں جنہیں سلامتی کونسل (Security Council) میں ویٹو پاور (Weto Power) حاصل ہے۔یہ ویٹو پاور خود جمہوریت کا مذاق ہے کہ محض ایک مخالف شخص سلامتی کونسل کی متفقہ قراردادوں پر خطِ تنسیخ پھیر دیتا ہے اور اکثریت ایک مخالف شخص کے سامنے گھٹنے ٹیک دیتی ہے.........اس حقیقت کو جان بوجھ کر نظر انداز کردینا اور تاریخ کو سلوٹوں میں نہاں اور آج کی خون آشام شام وسحر سے عیاں واقعات ومشاہدات سے آنکھیں

موند لینا دانشمندی نہیں، کسی ماہر نبض شناس حکیم کے مشوروں کو قابل التفات نہ سمجھنا خود اپنی ہلاکت کو دعوت دینا ہے۔

مغربی تہذیب اور اس کی جمہوریت واشتراکیت کی وسیسہ کاری اور اس کا طویل دلخراش دور جبر و استبداد آج ہمارے سامنے ہے جہاں نہ قدروں کی کوئی قیمت ہے نہ اصولوں کی ۔ سچ تو یہ ہے کہ قدروں اور اصولوں کا احترام دین ومذہب سے ہم آہنگ سیاست کے دائرہ عمل میں ہی مل سکتا ہے اس سے دوری کا مطلب اقبال کی زبان سے سنئے۔

جلال پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

آج غیروں کی بات تو چھوڑیئے بلکہ دین مذہب سے بیگانہ مسلم حکمرانوں کے طرز جہانبانی کو دیکھیے تو چنگیزیت بھی شرمندہ نظر آتی ہے اس لیے کہ سیاست دین کے اصول وآئین سے بے بہرہ ہے۔

سخت باریک ہیں امراض اُمم کے اسباب
کھول کر کہیے تو کرتا ہے بیاں کوتاہی

چنگیزی نظام ہو یا جمہوری نظام اقبال کی نظر میں ابلیسی نظام عمل کو بروئے کار لانے کی ایک سازش ہے جس کا اظہار ابلیس کی عرض داشت میں اس صرح فرمایا :

جمہور کے ابلیس ہیں ارباب سیاست
باقی نہیں اب میری ضرورت تہ افلاک

اگر اتنی بات سمجھ آجائے تو یہ حقیقت بھی عیاں ہو جائے گی کہ سیاست دین کے بغیر اقوام عالم کی بہتری کا سامان فراہم نہیں کرسکتی۔

دشت جمہوریت و عرصۂ آزادی بھی
قفسِ شاخ گلستاں ہے اِسے کیا کہیے

جمہوریت کے وسیع بیاباں اور آزادی کے کھلے میدان، انسانیت کی تباہی کے ایسے ہی سامان ہیں جیسے پرندوں کو زیر دام لانے کے لیے چمن کی ہری بھری شاخوں پر آویزاں خوبصورت قفس۔

اسی دشت جمہوریت اور عرصۂ آزادی میں پوری دنیا خصوصاً مسلم دنیا کو بزور طاقت بسانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ چاہے کشتوں کے پشتے لگ جائیں۔ سوچیے! اسی جمہوریت کے قیام کی خاطر صرف چند دنوں میں جواب بھی جاری ہے ایک اندازے کے مطابق ۳۰ ہزار عراقی فوجی، ۸ ہزار عام عراقی شہری ہلاک ہوگئے اور ۲۰ ہزار زخمی ہو کر ہسپتالوں میں بے بسی کی تصویر بن گئے۔ املاک کا جو ضیا ہوا امکانات اور عمارتیں جو منہدم ہو کر ملبوں میں تبدیل ہوگئیں ان کی تصاویر کو اخباروں اور ٹی وی چینلوں نے دنیا کے سامنے پیش کرنے کو اپنا اہم کارنامہ تصور کیا۔

تہذیب کا کمال شرافت کا ہے زوال
غارت گری جہاں میں ہے اقوام کی معاش

یہ وہی اقوام ہیں جنہیں امریکہ کی سیکورٹی کونسل میں حق استرداد (ویٹو پاور) حاصل ہے اور اسی سیکورٹی کونسل کی سرپرستی میں عراق اُجڑا، لٹا، برباد ہوا اور آج بھی ہو رہا ہے جس کو ۱۹۷۵ء کے بعد خوب نوازا گیا تھا۔

دی ان ڈیپنڈنٹ لندن اور ڈائی ٹاک زیٹنگ، برلن، اخبار کی رپورٹ کے مطابق امریکہ کی کم از کم ۲۴ کمپنیوں اور جرمنی کی ۸۰ کمپنیوں نے عراق کو نیوکلیائی، کیمیاوی اور جراثیمی ہتھیار بنانے کے لیے ہر قسم کی تکنیکی معلومات ہی نہیں بلکہ سارے کمپلیکس کی تعمیر اور مطلوبہ بنیادی ساز و سامان فراہم کیے تھے (سہارا ۲۵ رفروری ۲۰۰۳ء)۔

عراق کے بعد افغانستان آیئے :

جہاں ۱۹۹۵ء سے طالبان کی اسلامی سلطنت کا سورج امن و سکون کی روشنی بانٹ رہا تھا۔ ببرک کارمل کی رُوسی حکومت طالبان سے لڑکر شکست کھا چکی تھی بلکہ اس کی کمیونزم حکومت کا بھی خاتمہ ہو چکا تھا اور صرف ۵ فیصد علاقہ پر رُوس نواز طالبان مخالف قابض تھے۔ امریکہ اس جنگ میں طالبان کی دل کھول کر ہتھیاروں سے مدد کر رہا تھا بلکہ ۱۹۹۸ء تک طالبان حکومت کے تمام اخراجات کی ادائیگی خود امریکہ ہی کرتا رہا لیکن یہ فراخ دلانہ ہمدردیاں طالبان سے محبت کا نتیجہ نہ تھیں بلکہ اس کے پس پردہ تہہ بہ تہہ مقاصد تھے (طالبان بھی اس حقیقت سے نا آشنا تھے) بظاہر اس ہمدردی کا ابتدائی مقصد یہ تھا کہ بحیرہ کیسپین میں چھ ٹریلین ڈالر کا تیل موجود ہے اسے بحیرۂ عرب تک پہنچانے کے لیے افغانستان سے پائپ لائن گزارنے کی ضرورت تھی، اِسی پائپ لائن کی تعمیر کے لیے امریکہ نے ۱۹۹۶ء میں طالبان کو اقتدار تک پہنچایا لیکن ہوا یہ کہ ۱۹۹۹ء میں طالبان نے اس پائپ لائن کی تعمیر کے لیے امریکہ کو نفی میں جواب دیدیا تو یونوکال (Unocal) کمپنی کے نائب صدر جان ماریسکا (John Maresca) نے کانگریس کے سامنے اس بات کا رونا رویا کہ جب تک افغانستان میں طالبان کی جگہ کوئی اور حکومت نہیں لائی جاتی، پائپ لائن کی تعمیر کا امریکی خواب ادھورا ہی رہ جائے گا۔

اس مقصد کی تکمیل کے لیے جب طالبان حکمراں کو کسی طرح رام نہ کیا جا سکا تو ۱۱ ستمبر کو ورلڈ ٹریڈ سینٹر پہ حملہ کا ڈرامہ رچایا گیا اور اُسامہ بن لادن کو اس حملہ کا سب سے بڑا مجرم فرض کر کے "القاعدہ" تنظیم کو جنم دیا گیا اور اس کا سپریم کمانڈر اُسامہ کو مان کر ملّا عمر سے اس کی حوالگی کا مطالبہ کیا گیا۔ ملّا عمر کی ایمانی حمیت نے جب اس مطالبہ کو مسترد کر دیا تو بش کی مجرمانہ ذہنیت نے افغانستان و طالبان پر اپنی دہشت گردی کی انتہا کر دی، شہر اور بستیاں کھنڈر بن گئیں، صحرا و بیاباں لرز اُٹھے، پہاڑیاں ریت کے تودوں کی طرح بکھر گئیں اور طالبان کی حکومت ختم ہو گئی۔ مشہور زمانہ یونوکال تیل کمپنی کے ایک ادنیٰ ملازم حامد کرزئی کو افغانستان کا حکمراں بنا دیا گیا، اس کے بعد ۳۱ رجنوری ۲۰۰۲ء کو امریکہ نے خاموشی سے اعلان کر دیا کہ وہ افغانستان سے گزرنے والی پائپ لائن کی تعمیر میں مدد دے گا۔ کرزئی اور مشرف نے اس پائپ لائن کے بچھانے کے منصوبے پر فروری ۲۰۰۲ء کو کابل میں دستخط کر کے طالبان کی ہوش مندانہ حکمت عملی کے خلاف اپنی بیمار طبیعت اور غلام ذہنیت کا ثبوت فراہم کر دیا۔

مجلس آئین و اصلاح و رعایات و حقوق طب مغرب میں مزے میٹھے اثر خواب آوری
گرمی گفتار اعضائے مجالس الاماں یہ بھی اک سرمایہ داروں کی ہے جنگ زرگری

آگے چلیے ! جمہوریت کے نام سے مسلم شخصی حکومتوں کے خلاف ہمدردانہ طریقہ پر آمرانہ قوت کے ذریعہ جس طرح شورش برپا کی جاتی رہی اور اب تک کی جارہی ہے۔افسوس کہ عارضی اور ذاتی مفاد کی خاطر شعوری یا لاشعوری طور پر ہم ہی اس فتنہ گری کا سامان اور اس کے ہراول دستہ ہوتے ہیں۔اقبال کی زبان سے سنئے :

یورپ کی غلامی پہ رضا مند ہوا تو مجھ کو تو گلہ تجھ سے ہے یورپ سے نہیں ہے

جمہوریت کا واویلا صرف ایک صہیونی سازش ایک صلیبی جنگ کا نقطۂ آغاز ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب اس جمہوریت کی باگ ڈور مسلم اصول پسندوں کے ہاتھوں میں آجاتی ہے تو وہاں خود جمہوریت کا وجود ہی جمہوریت کے لیے خطرہ بن جاتا ہے۔

مثال کے طور پر ایک نظر شمالی افریقہ کے الجزائر پر ڈالیں جس پر ۱۹۴۷ء سے ۱۹۶۲ء تک فرانس کا قبضہ رہا۔پھر اس کے بعد قوم پرست شوشلسٹ یا اشتراکی عناصر کے قبضہ میں چلا گیا۔۱۹۸۹ء میں الجزائر کے صدر شاذلی بن جدید کے دور میں ملک کا نیا آئین بنا جس سے کثیر الجماعت نظام کے لیے راہیں ہموار ہوئیں تو اسلامک سالویشن فرنٹ کا قیام وجود میں آیا۔دسمبر ۱۹۹۱ء میں جب عام انتخابات کے پہلے ہی مرحلے کا اعلان ہوا تو فرنٹ نے اس میں مظبوط سیاسی قوت کا مظاہرہ کیا ۴۳۰ نشستوں والی قومی اسمبلی کے پہلے ہی مرحلے میں فرنٹ کو ۱۹۳ سیٹیں حاصل ہوگئیں۔فرنٹ اس کامیابی سے انتخاب کا دوسرا مرحلہ جو جنوری ۱۹۹۲ء میں منعقد ہوا تھا منسوخ کر دیا گیا اور پھر انتخاب کا پہلا مرحلہ بھی کالعدم قرار دیدیا گیا۔فرنٹ کو اقتدار سے روکنے کے لیے بڑے پیمانے پر فوجی کارروائیاں کی گئیں اور ستم بالائے ستم یہ کیا کہ فوج کے افراد نے نقلی داڑھیاں لگا کر اسلام پسند گروپ کو بدنام کرنے کے لیے عام لوگوں کو قتل کرنے کی مہم شروع کردی۔اس خونی ڈرامہ میں ۸۰ ہزار انسانوں کی ہلاکتوں کے بعد فرنٹ کا نام ''دہشت گرد تنظیم'' کی فہرست میں شامل کردیا گیا۔

خواب سے بیدار ہوتا ہے ذرا محکوم اگر پھر سلا دیتی ہے اس کو حکمراں کی ساحری

دوسری مثال دیکھئے !۱۹۹۶ء میں جب ترکی میں عام پارلیمانی انتخاب ہوا تو رفاہ پارٹی ۱۵۳ نشستیں حاصل کرکے سب سے بڑی سیاسی پارٹی کی شکل میں سامنے آئی۔رفاہ پارٹی کے رہنما نجم الدین اربکان نے سابق وزیرِ اعظم اور صراطِ مستقیم کی پارٹی کی رہنمائی تان سوسیلر کے اشتراک سے اپنی حکومت تشکیل کی اور جدید ترکی کے پہلے اسلام پسند وزیرِ اعظم ہونے کا شرف حاصل کیا۔نجم الدین اربکان نے مغرب کو نظر انداز کر کے سب سے پہلا دورہ مسلم دنیا کا کیا جس میں ایران، پاکستان، لیبیا سر فہرست تھے۔انہوں نے مسلم ممالک کا مشترکہ پلیٹ فارم (G.S) تشکیل دینے میں

بھی کلیدی رول ادا کیا، حجاج کرام کو سہولتیں دیں، خواتین کے لیے دفاتر میں پردے کے استعمال کی اجازت دی۔ ظاہر ہے کہ یہ اقدامات فوج یا اتاترک کے سیکولرازم سے میل نہیں کھاتے تھے اس لیے انھیں گیارہ مہینے میں بارہ مرتبہ عدم اعتماد کی تحریک کا سامنا کرنا پڑا اور جب اس سے بھی کام نہ چلا تو فوج نے کمان سنبھالی۔ بالآخر مجبور ہو کر اربکان کو مئی ۱۹۹۷ء میں وزارت عظمیٰ سے استعفیٰ دیدینا پڑا۔ پھر عدالتی آئین کا سہارا لے کر ۱۶ر جنوری ۱۹۹۸ء کو رفاہ پارٹی پر پابندی عائد کر دی گئی اور نجم الدین اربکان سمیت پارٹی کے پانچ رہنماؤں پر سیاسی سرگرمیوں میں شرکت پر روک لگا دی گئی۔

ہے وہی سازِ کہن مغرب کا جمہوری نظام جسکے پردوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری

اور اب جب کہ سیاست کو طاقت نے اغوا کر لیا ہے اور سازشیں اس طرح بے نقاب ہو چکی ہیں کہ انھیں چھپایا بھی نہیں جاسکتا............کہ

شریک حکم غلاموں کو کر نہیں سکتے خریدتے ہیں فقط اُن کا جوہر ادراک

اس شعر کی معنویت وضاحت میں آج کے سیاسی منظرنامے کو پڑھ لیجیے۔ امریکہ کے ایک اشارے پر مسلم حکمراں خود اپنوں کو قتل اور ذلیل ورُسوا کر رہے ہیں۔ ازلی دشمنوں کو دوست سمجھ لینا اور چند روزہ زندگی کو حاصلِ زندگی خیال کر لینا کس قدر نادانی اور بدنصیبی ہے اور پھر اس بدنصیبی کے منحوس سائے میں وزیرستان ہو یا افغانستان، کویت ہو یا عراق، مصر ہو یا سعودی عرب، ہر جگہ غلام آقاؤں کی پوری طاقت خود اپنے وطن کے ان نوجوانوں کے خلاف استعمال ہو رہی ہے جن میں ذرا سی بھی اسلامی حمیت کا پاس ہے۔

محسن انسانیت ﷺ نے فرمایا :

من اعان علی قتل مؤمن بشطر کلمة لقی اللّٰہ مکتوب بین عینیه آئس من رحمة اللّٰہ (ابن ماجه)

جس شخص نے کسی مسلمان کے قتل میں ایک کلمہ سے بھی مدد کی تو وہ قیامت کے دن حق تعالیٰ کی پیشی میں اسطرح لایا جائیگا کہ اسکی پیشانی پر اسطرح لکھا ہوگا کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم و مایوس ہے۔

آج ایک معمولی سوجھ بوجھ رکھنے والا انسان بھی یہ محسوس کر کے پریشان ہے کہ مسلم حکمراں زبانِ خلق کو نقارہ خدا کیوں نہیں سمجھتے ؟ کیوں اپنے ہی ہاتھوں اپنی قوت وشوکت کو تاراج و برباد کر رہے ہیں، خود اپنے ملک کی خوش حالی اور امن وسکون کو غارت کر کے زمین کے ہر خطۂ عافیت میں نفرت وعداوت اور بم بارود کی فصل کیوں بو رہے ہیں۔ وہ ماضی کی تاریخ کو اگر نہیں پڑھ سکتے تو کل اور آج کے حالات تو اُن کے سامنے ہیں؟ اگر ان حالات میں بھی انھیں آگہی کی توفیق نہ ملی تو چند

روزہ حکمرانی کا غرور بارود کی نذر ہو جائے گا اور ہماری غیور نسلیں برسوں تک اس فصل کو کاٹنے پر مجبور ہو جائیں گے۔

غلام آقاؤں کو اپنی عاقبت اندیشی کا احساس کب ہوگا ؟ جنگ کے اصل حقائق کو کب سمجھیں گے ؟ کیا مفروضہ دہشت گردی کو ختم کرنے کے دباؤ میں جب طاقت وقوت کو فنا کر لیں گے ؟ پٹرولیم اور دیگر معدنیات کے ذخیرے جب ہاتھوں سے نکل جائیں گے ؟ ایٹمی طاقت کی جوہری تنصیبات جب تہس نہس ہو جائیں گی ؟ تو اس وقت سوچا جائے گا کہ جنگ کا اصل ہدف کیا تھا ؟ دہشت گردی تھی یا پٹرولیم کے ذخیروں پر قبضہ تھا یا اصل نشانہ اسلام اور مخلص سمجھے جانے والے مسلمان تھے۔ مسلمان کے خلاف دہشت گردی کا شور وشرابہ دراصل ''چور مچائے شور'' والا قصہ ہے۔ اصل مقصد تو صلیبی ہے اس کا پہلا مرحلہ افرادی اور ملکی طاقت کے سرچشموں کو فنا کرنا ہے۔ پٹرولیم کے ذخیروں پر قبضہ کر کے مسلم حکومتوں کو اقتصادی طور پر بے دست وپا کرنا ہے تاکہ اسلام پر بآسانی صلیبی مذہب کو غالب کیا جاسکے۔ اگر اس فلسفہ کو سمجھنے کی کوشش نہ کی گئی اور اس کے تدارک کے لیے فوری طور پر ہمارے سربراہوں نے مل بیٹھ کر حل نہ سوچا تو ملتِ اسلامیہ سخت مشکل سے دوچار ہو جائے گی اور نا ہنجار حکمراں سب کچھ لٹا کر خود ملکوں کے گڑھوں میں پڑے ہوں گے۔ کیا تمہیں پتہ نہیں ع

جو سراپا ناز تھے، آج مجبور نیاز

اس لیے آنکھیں کھلی رکھ اور دانائے راز کی باتیں سن !

کرمکِ ناداں طوافِ شمع سے آزاد ہو ۔۔۔ اپنی فطرت کے تجلی زار میں آباد ہو

اور یہ بھی سن ! کہ ع

نغمۂ بیداری جمہور ہے سامان عیش

اور اس سامان عیش کو کامرانی کی ضمانت نہ سمجھ بلکہ یہ مکر کی ایک چال ہے، مگر افسوس !

اس سرابِ رنگ وبو کو گلستاں سمجھا ہے تو ۔۔۔ آہ ! اے ناداں قفس کو آشیاں سمجھا ہے تو

غور کر ! اور اس فریب کے حصار سے باہر نکل، ترقی اور کامرانی کا راز اس نکتے میں مضمر ہے کہ

ربط وضبط ملتِ بیضا ہے مشرق کی نجات ۔۔۔ ایشیا والے ہیں اس نکتے سے ابتک بے خبر

پھر سیاست چھوڑ کر داخل حصارِ دیں میں ہو ۔۔۔ ملک و دولت ہے فقط حفظ حرم کا اک ثمر

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے ۔۔۔ نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کاشغر

مرسلہ : قاری منظر عباس کشمیری
متعلم جامعہ مدنیہ لاہور

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات

﴿ اقتباس از تاریخ اسلام مؤلفہ حضرت مولانا محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ ﴾

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں ''حضور ﷺ کا خلقِ مبارک قرآن پاک تھا''۔ مطلب یہ ہے کہ آپ کے اخلاق قرآن پاک یعنی خدا کے احکام اور اس کی رضا کے عملی نمونہ تھے۔ لڑائی، صلح، دشمنی، دوستی، آرام، عبادت، خوراک، پوشاک، اُٹھنا، بیٹھنا، سونا، جاگنا، غرض تمام موقعوں پر حضور ﷺ کا وہی طرز ہوتا جو خدا کی مرضی ہوتی۔ جو لوگ برسوں اور مدتوں حضور ﷺ کی خدمت میں رہے اُن کا بیان ہے کہ حضور ﷺ اپنی وجہ سے کبھی کسی پر خفا نہ ہوتے۔ اپنے نقصان کا کبھی کسی سے بدلہ نہ لیتے۔ ہاں اگر شریعت کا کوئی حق ضائع ہوتا تو پھر غصہ کی کوئی انتہا نہ تھی، اُس وقت آپ کی سزا سے نہ کوئی سفارش بچا سکتی نہ کسی کی محبت یہاں تک ارشاد ہوا اگر میری بیٹی فاطمہؓ (خدانخواستہ) چوری کرے تو اُس کے بھی ہاتھ کاٹوں گا۔

وسعت اور عمدگی اخلاق ہی تھی جس کو نبوت کے ثبوت میں پیش کیا جاتا اور بڑے بڑے کٹر کافر، اور جانی دشمن گردن جھکا دیتے اور حضور ﷺ کی محبت کے متوالے بن جاتے۔ گستاخی، بے ادبی، تکلیف و ایذاء کا بدلہ محال تھا کہ معافی کے علاوہ کوئی اور ہوتا۔ یادِ خُدا سے کوئی وقت خالی نہ تھا۔ سونے کے وقت آنکھیں سوتیں مگر دل یادِ خدا میں جاگتا رہتا، ایک ایک مجلس میں ستر اور سو مرتبہ استغفار تو صحابہ سن لیتے

خدمتِ خلق پاکیزہ زندگی کا سب سے بڑا مقصد تھا۔ ہمدردی خلق ایک دوسرا سانس تھا جس پر زندگی کا گویا مدار تھا۔ زندگی انتہائی خطرہ میں ہوتی تب بھی ہمدردی مخلوق کا ولولہ تمام خطروں سے آزاد رہتا بلکہ پورے جوش پر ہوتا۔ طائف میں جب جسدِ اطہر کو اینٹوں اور پتھروں کے حملوں سے خون سے رنگ دیا گیا ملک الجبال کہتا ہے بددعا کیجئے مگر ہمدردی خلق کا ولولہ پکارتا ہے۔ نہیں، ممکن ہے اِن کی نسل میں کوئی بچہ پیدا ہو جو صداقت کو تسلیم کر لے۔ اُحد میں سب کچھ ہوتا ہے پے در پے حملے ہو رہے ہیں کہ مخلوق کے سب سے بڑے ہمدرد کو مخلوق سے جدا کر دیا جائے مگر زبان پر یہی ہے: اے اللہ میری قوم کو معاف فرما وہ مجھے جانتی نہیں۔ اُحد کی لڑائی میں چہرہ مبارک میں دو کڑیاں چھبی ہوئی ہیں۔ خون کے چشمے چہرۂ مبارک کی رگوں سے اُبل رہے ہیں مگر مخلوقات کا سب سے بڑا ہمدرد ایک ایک قطرہ کی حفاظت کر رہا ہے کہ اگر زمین پر گر گیا تو قہرِ الٰہی جوش میں آجائے گا اس کا افسوس نہیں کہ اتنی بڑی گستاخی، اتنی بڑی درندگی اور بے دردی کیوں کی گئی۔

افسوس اس کا ہے کہ اس قوم کی فلاح وترقی میں کوئی رکاوٹ نہ پیدا ہو جائے۔ بار بار یہ ارشاد زبان مبارک پر ہے: ہائے وہ قوم فلاح کیوں کر پائے گی جس نے اپنے سب سے بڑے خیر خواہ کے ساتھ یہ برتاؤ کیا۔

تواضع اور انکساری حد درجہ کی تھی۔ غریب سے غریب بھی اگر دعوت کرتا تو بلا تکلف منظور فرمالی جاتی اور پھر شاہِ دو جہاں کو ایک غریب کے جھونپڑے پر جانے میں کوئی عذر نہ ہوتا۔ معمولی سے معمولی شخص جہاں چاہتا حضور ﷺ سے گفتگو کرسکتا تھا نہ دروازہ پر کوئی دربان تھا نہ راستہ میں کوچوان کی ہٹو بچو نہ ساتھیوں کے ساتھ چلنے میں کوئی نرالی شان ہوتی نہ بیٹھنے میں کوئی امتیازی شان، راحت اور آرام میں سب سے کم حصہ ہوتا مگر مشقت اور جفا کشی میں سب کے برابر بلکہ زیادہ۔ جوتے یا پھٹے ہوئے کپڑے خود سی لیتے، دراز گوش پر سوار ہونے میں بھی کوئی تکبر نہ ہوتا۔ ارشاد ہوا تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم کی اصل مٹی ہے جب کبھی دو چیزوں میں اختیار دیا جاتا تو حضور ﷺ آسان کو پسند فرماتے ہاں اگر اس میں بدسلوکی یا ناانصافی ہوتی تو آپ اُس سے کوسوں دور رہتے۔

کم گوئی حضور ﷺ کی طبیعت تھی۔ اگر فرماتے تو مفید بات، دوسروں کو بھی تعلیم ہوتی کہ جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اُس کو لازم ہے وہ خاموش رہے اور بولے تو اچھی بات۔ ارشاد ہوا مسلمان کی خوبی اس میں ہے کہ بیکار بات اُس سے سرزد نہ ہو۔

ہر حالت میں خدا کی طرف توجہ ہوتی۔ اگر کوئی ناگوار بات پیش آتی تو فرماتے انا للّٰہ وانا الیہ راجعون یا **الحمد للّٰہ علٰی کل حال**۔ خوشی کے موقع پر فرمایا جاتا **الحمد للّٰہ رب العلمین**۔ حضور ﷺ کا غصہ اور خوشی دونوں چہرۂ مبارک سے ظاہر ہو جاتے۔ جب خفا ہوتے تو منہ پھیر لیتے اور خوشی کے وقت آنکھ نیچی ہو جاتی، اِترانے کی بجائے عاجزی ظاہر ہوتی۔ حضور ﷺ کے دامنِ رحمت میں جانور بھی اسی طرح پناہ لیتے جیسے انسان، اور کافر بھی اس سایہ میں ویسے ہی آرام پاتے جیسے مسلمان۔ ارشاد ہوا مومن وہ ہے جس سے آدم کی کسی بھی اولاد کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔

جانوروں پر مہربانی: بلّی آتی تو اس کے پانی کا برتن اس وقت تک جھکائے رکھا جاتا جب تک وہ سیراب نہ ہو جائے۔ فرمایا ایک بدکار عورت کی اسی میں نجات ہوگئی کہ پیاس سے سسکتے ہوئے کتے کو پانی پلا دیا تھا جس سے وہ زندہ ہو گیا ایک عورت اسی باعث دوزخ میں جل رہی ہے کہ بلی کو باندھ لیا تھا مگر کچھ کھانے کو نہ دیا یہاں تک کہ بلی مرگئی۔

سوار ہونے والوں کو وصیت ہوتی کہ سواریوں پر سختی نہ کریں ذبح کرنے والوں کو حکم ہوتا کہ ذبح میں تکلیف دہ طریقہ اختیار نہ کریں، گھوڑے والوں کو نصیحت ہوتی اپنے گھوڑوں کے منہ کو چادر یا آستین سے صاف کرلیا کریں۔ اسی عام رحم وکرم کا بھروسہ تھا کہ جانور بھی اپنی شکائتیں حضور ﷺ کے دربار میں پیش کرتے تھے۔

❀❀❀

قسط : ۳

دعاء کی افادیت واہمیت

﴿ خطیبِ اسلام حضرت مولانا محمد اجمل خان صاحبؒ ﴾

❀❀❀

ادب ۴ :

ویجتنب الجھر والمخافة .(عین العلم)

''اور آدابِ دُعاء سے ایک یہ ہے کہ (دعاء میں) آواز کو زیادہ بلند کرنے سے اور زیادہ پست کرنے سے اجتناب کرے''۔

تشریح :

دُعاء کرتے وقت ہیئت اور آواز ہر شے سے تذلّل کا اظہار ہونا چاہیے۔ نہ اس قدر چیخ کر دعا کی جائے کہ گویا خدا بلند آواز ہی کو سنتا ہے اور نہ ہی یہ سمجھ کر کہ اللہ تعالیٰ تو دل کی باتوں کو جانتا ہے، منہ سے کہنے کی کیا ضرورت ہے بالکل خاموشی اختیار کرلی جائے ، بلکہ بجائے اس افراط اور تفریط کے میانہ روی اختیار کی جائے۔ دُعاء میں جہر مفرط (زیادہ چلانا) خلافِ ادب ہے اور بغیر الفاظ کے دعاء کا اثر قلب پر پڑتا نہیں اور نہ اس میں گڑگڑاہٹ پیدا ہوتی ہے جو اُسے قبولیت کے مقام پر پہنچائے۔

مسلم شریف میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ ولا تجھر بصلوتک ولا تخافت بھا یہ آیت کریمہ دُعاء کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ (قرطبی ص ۳۴۴ ج ۱۰)

اور مراقی الفلاح کے حاشیہ (ص ۱۷۳) میں علامہ طحطاویؒ فرماتے ہیں :

ومن الادب ان یدعو بخشوعٍ و تذلّلٍ و خفض صوتٍ ای بان یکون بین المخافة والجھر کما فی الاذکار عن الاحیاء لیکون اقرب الی الاجابة.

''اور دعاء کے آداب سے یہ بھی ہے کہ دعاء خشوع ، عاجزی اور پست آواز کے ساتھ مانگی جائے یعنی جہر مفرط اور اخفاء کے درمیان ہو اور یہی انداز قبولیت کے زیادہ قریب ہے جیسا کہ اذکارِ نووی

میں احیاء العلوم کے حوالہ سے مذکور ہے''۔

اور جہر مفرط کی ممنوعیت کے متعلق زین الحلم شرح عین العلم (ص ۱۰۲ ج ۱) میں ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں :

ولا یبالغ فی رفع صوتہٖ لماروٰی ابو موسی الاشعریؓ قال قدمنا مع النبیّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فلمّا دنونا المدینۃ کبّرو کبّر النّاس ورفعوا اصوا تھم فقال یا ایھا النّاس انّ الّذی تدعون لیس باصمّ ولا غائبٍ انّ الّذی تدعون بینکم وبین اعناق رکابکم .

''اور بوقتِ دعاء بلند آوازی میں مبالغہ نہ کرے، چنانچہ ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے ساتھ جب ہم ایک سفر سے واپس آئے اور مدینہ منورہ کے قریب پہنچے تو آپ نے تکبیر کہی اور لوگوں نے بھی بلند آواز سے تکبیر کہی تو آپ نے فرمایا۔ لوگو! تم کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکارتے ہو بلکہ وہ تو تمہارے عین درمیان میں موجود ہے''۔

اور علامہ ابو البرکات نسفیؒ اپنی تفسیر (مدارک ص ۵۷ ج ۲ اور قرطبی ص ۲۲۶ ج ۷) میں **ادعوا ربکم تضرعاً وخفیۃ انہ لا یحب المعتدین** (سورۂ اعراف آیت ۵۰) کے تحت ابن جریجؒ سے نقل فرماتے ہیں : **الصّیاح فی الدعاءِ مکروۃ وبدعۃ** (ھٰکذا فی روح المعانی ص ۱۳۹ ج ۸) ترجمہ : ''دعاء میں چیخنا اور چلانا مکروہ اور بدعت ہے''۔

اور اسی مقام پر علامہ سیّد محمود آلوسیؒ اپنی تفسیر رُوح المعانی ص ۱۳۹۔۱۴۰ جزء ثامن میں رقمطراز ہیں :

وتریٰ کثیراً مّن اھل زمانک یعتمدون الصّراخ فی الدّعاءِ خصوصاً فی الجوامع حتّٰی یعظم اللغط و یشتدّ وتستکُّ المسامع وتستدُّ ولایدرون انھم جمعوا بین بدعتینِ رفع الصوتِ فی الدعاءِ و کون ذالک فی المسجد.

''تو اپنے زمانہ کے بہت سے لوگوں کو دیکھے گا جو دعاء میں بہت اُونچا چلانے پر اعتماد رکھتے ہیں خصوصاً بڑی بڑی مسجدوں میں یہاں تک کہ شور پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ نہیں جانتے کہ اس عمل میں انہوں نے دو بدعتیں جمع کر لی ہیں، ایک تو دعاء میں بلند کرنا آواز کا اور دوسری بلند آوازی مسجد میں''۔

اور علامہ رشید رضا مصریؒ اپنی تفسیر المنار ص ۴۵۸ ج ۸ میں لکھتے ہیں :۔ جس طرح دعاء آہستہ مانگی جا سکتی ہے اسی طرح مناسب حد تک آواز کے ساتھ بھی مانگنے کی اجازت ہے۔ تنہائی میں جہاں ریاء کا خطرہ نہ ہو اور دوسروں کو اس کی آواز سے اذیت پہنچنے کا احتمال نہ ہو تو مناسب حد تک بلند آواز کے ساتھ دعاء مانگنا بہتر ہے کیونکہ اس طرح وسوسے دُور رہیں گے

اور بیدار رہنے میں بھی مدد ملے گی، مگر مجمع میں خاموشی سے دعاء مانگنا ہی پسندیدہ ہے۔

اور یہی تحقیق علامہ سیّد محمود آلوسیؒ نے تفسیر رُوح المعانی (ص ۱۴۰، ج ۸) میں نقل فرمائی ہے وہاں ملاحظہ کیجیے۔

اور امام ابوبکر جصاص رازیؒ احکام القرآن (ص ۴۲، ج ۳) میں لکھتے ہیں :

والدليل علٰى ما روى فى تاويل قوله تعالٰى قد اجيبت دّعو تكما. قال كان موسٰى يدعو وهارون يؤمّن فسمّا هما الله داعيين.

"اور اس پر دلیل وہ ہے جو آیت قد اجیبت دعوتکما کی تاویل میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام دعاء مانگتے تھے اور حضرت ہارون علیہ السلام آمین کہتے تھے اور دونوں کو اللہ تعالیٰ نے دعاء مانگنے والا قرار دیا"۔

اور آمین کہنے والا تب ہی آمین کہتا ہے جبکہ کلماتِ دُعاء کو وہ سنتا ہو۔ پس ثابت ہوا کہ مناسب حد تک بلند آواز کے ساتھ دعا کرنا جائز ہے۔

اور مجمع الزوائد ومنبع الفوائد للہیثمی (ص ۱۷۰، ج ۱۰) باب التآمين على الدّعاءِ کے تحت حدیث نقل فرماتے ہیں

عن ابى هبيرة عن حبيب بن مسلمة الفهرى وكان مستجاباً انّه اُمر على جيشٍ فدرب الدّروب فلمّا لقى العدوّ قال للنّاس سمعت رسول الله (ﷺ) يقول لا يجتمع ملأٌ فيدعوا بعضهم ويؤمّن سائرهم الا اجابهم الله ثمّ انه حمد الله واثنى عليه وقال اللّهم احقن دماءَ نا واجعل اُجورنا اجور الشهداءِ فبيناهم علٰى ذالك اِذ نزل الهنباط امير العدوّ فدخل علٰى حبيبٍ سُرادقه. (رواه الطبرانى وقال الهنباط بالرومية صاحب الجيش ورجالهٗ رجال الصحيح غيرابن لهيعة وهو حسن الحديث).

"ابوہبیرہ سے روایت ہے کہ حبیب بن مسلمہ فہری مستجاب الدعوات تھے۔ یہ ایک لشکر کے امیر ہوئے اور سرحدیں پار کر چکنے کے بعد جب دشمنوں سے ملے تو لوگوں سے کہا کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے۔ آپ فرماتے تھے کہ جب کوئی جماعت جمع ہوتی ہے اور ان کا بعض دُعاء کرے اور باقی لوگ آمین کہیں تو ضرور اللہ پاک ان کی دعاء قبول کرتا ہے اور اس کے بعد انہوں نے اللہ تعالیٰ کی تعریف اور ثناء کی اور کہا اے میرے اللہ! ہمارے خون کی حفاظت فرما اور ہمارے اجور کو شہداء جیسا اجر کردے۔ لوگ ابھی اسی حال میں تھے کہ اچانک دشمنوں کا امیر جس کو ہنباط کہتے ہیں

آیا اور حضرت حبیبؓ کے پاس اُن کے خیمہ میں داخل ہوگیا''۔

ادب ۵ :

ولا یتکلّف بالسجع فورد ایّاکم والسّجع فی الدّعاءِ. (عین العلم)

''اور دعاء میں بتکلف قافیہ بندی کی کوشش نہ کرے کیونکہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ دعاء میں قافیہ بندی سے بچو''۔

تشریح :

دُعاء میں تصنع ،تکلف اور الفاظ کی زیبائش وآرائش کا لحاظ نہ خیال کیا جائے۔ الفاظ کی قافیہ بندی کی طرف ذہن کو متوجہ کرنے سے اُس کے مفہوم ومعانی کی طرف توجہ میں خلل پیدا ہوگا اور دُعاء میں انہماک باقی نہ رہ سکے گا۔

چنانچہ زین الحلم شرح عین العلم ص ۱۰۴ ج ۱ میں ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں :

ولا یتکلّف بالسّجع فی الدّعاءِ فانّ حال الدّاعی ان یّکون حال متضرعٍ والتکلّف لاینا سبہٗ.

دعا میں قافیہ بندی کا تکلف نہ کرے اس لیے کہ دعا مانگنے والے کی حالت تضرع کرنے والے کی طرح ہو اور تکلف اس کے مناسب حال نہیں۔

اور بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے :

وانظر السجع من الدّعاءِ فاجتنبہ فانّی عھدتٌ رسول اللہ ﷺ واصحابہ لا یفعلون.

''دعاء میں قافیہ بندی سے پرہیز کرو کیونکہ آنحضرت ﷺ کا اور آپ کے صحابہ کرامؓ کا یہ طرزِ عمل نہ تھا''۔

لیکن یہ بات یاد رہے کہ دعاء کرتے وقت اگر ذوقِ طبعی سے زبان پر بلا تکلف کلماتِ دعائیہ موزونہ جاری ہو جائیں تو اس میں کوئی باک نہیں، چنانچہ سرورِ کائنات ﷺ کی بعض دعاؤں میں کلمات موزونہ منقول ومأثور ہیں لیکن ان دعاؤں میں قافیہ بندی کا قصد نہیں کیا گیا، چنانچہ حضرت ملا علی قاریؒ زین الحلم شرح عین العلم ص ۱۰۴، ج ۱ میں فرماتے ہیں :

ثم المنع انّما ھو التکلّف فی السجع بخلاف ماذا ورد علٰی مقتضی الطبع ففی الادعیۃ الماثورۃ علٰی لسان صاحب الشرع جاءَ ت کلماتٍ متوازنۃٍ مؤتلفۃٍ الا

انّها غیر متکلّفةٍ کقولہٖ علیہ السلام .

اللّٰھمّ ذا الحبل الشدید والامر الرشید اسئَلک الامن من یوم الوعید . والجنّة یوم الخلود. مع المقرّبین الشّھود. والرّکع السّجود. والمؤفون بالعھود. انک رحیم ودود وانت تفعل ما ترید". (رواہ الترمذی)

''اے اللہ مضبوط رسی والے اور درست حکم والے پروردگار! وعید کے دن، امن کا طالب ہوں اور خلود کے دن جنت کا اور تیرے اُن مقربین کی رفاقت سے بہرہ مند ہونا چاہتا ہوں جنہوں نے تیری گواہی دی، تیرے لیے رکوع وسجود کو شعار ٹھہرایا اور اپنے عہد کو پورا کیا۔ پروردگار! تو رحیم اور شفقت والا ہے اور تو جو چاہے کر سکتا ہے''۔

(۲) وکقولہٖ علیہ السلام .اللّٰھمّ انّی اعوذبک من علمٍ لا ینفع وعملٍ لا یرفع وقلبٍ لا یخشع ودعاءٍ لا یسمع . (رواہ احمد وابن حبّان والحاکم)

''اے اللہ میں آپ کے ساتھ ایسے علم سے پناہ مانگتا ہوں جو نافع نہ ہو اور ایسے عمل سے تیری طرف جو اُٹھایا نہ جائے اور ایسے دل سے جس میں خشوع نہ ہو اور اُس دعاء سے جو مقبول نہ ہو''۔

(۳) وکقولہٖ علیہ السلام . اللّٰھم استر عوراتنا وآمن روعاتنا (رواہ احمد)

''اے اللہ میرے عیوب کو ڈھانک دے اور میرے خوف کو امن میں تبدیل کر دے''۔

خلاصہ : دعاء میں قافیہ بندی آورد اور تکلف کے طور پر منع ہے اور بے تکلف اور آمد کے طور پر جائز ہے۔

حضرت حبیب عجمیؒ جو بہت مستجاب الدعوات تھے اور نہایت سادہ الفاظ میں دعا مانگا کرتے تھے اور لوگوں کے حسنِ اعتقاد کا یہ عالم تھا کہ اُن کے ایک ایک لفظ پر ہر کونے اور ہر گوشے سے آمین کی صدائیں بلند ہوتی تھیں۔ ایک صاحب دل کا کیا ہی اچھا قول ہے۔

اُدع بلسان الذّلّة والافتقارِ لا بلسان الفصاحة والانطلاق.

''ذلت اور افتقار کی زبان سے اللہ کو پکارو۔ فصاحت، بلاغت اور طلاقت لسانی سے کام نہ لو''۔

ادب ۶ :

وان لا یتکلف التغنی بالانغام . (حصن حصین)

''اور آدابِ دعاء سے ایک یہ ہے کہ دعاء میں گانے کا طریقہ اختیار نہ کرے''۔

تشریح :

امام قرطبیؒ اپنی تفسیر ص۳۱۲ میں فرماتے ہیں :

ومن شرط الدّعاءِ ان یّکون سلیماً من اللّحن کما انشد بعضھم ۔

ینادی ربہ باللّحن لیث   کذاک اذا دعاہ لا یجیب

"کہ لیث لحن کے ساتھ اپنے رب کو پکارتا ہے جب اس انداز سے اس کو پکارے گا تو اس کی دعا قبول نہ ہوگی"۔

امام برکلی طریقہ محمدیہ ص ۲۲۵ ج ۲ میں فرماتے ہیں :

واقبح التّغنی ما کان فی القرآن والذّکروالدعاءِ .

"اور بدترین نغمہ سرائی وہ ہے جو تلاوتِ قرآن مجید اور ذکر الٰہی اور دعاء میں ہو"۔

دعاء میں تو تضرع، زاری، انکساری، گریہ وزاری ہونی چاہیے اور موسیقی کے لب ولہجہ، طرز کو دعاء سے کیا مناسبت؟ جو سراسر خشوع کے منافی ہے۔ لہٰذا بارگاہِ الٰہی میں اپنی درخواست پیش کرنے والے کو اس شرط کا خاص اہتمام التزام کرنا چاہیے۔ (جاری ہے)

عوام الناس سے رئیس المناظرین حضرت اقدس علامہ محمد عبدالستار صاحب تونسوی زید مجدھم کی اپیل

حضرت اقدس علامہ محمد عبدالستار صاحب تونسوی زید مجدھم فرماتے ہیں کہ اس وقت فتنوں کے اُمڈتے ہوئے سیلاب سے بچنے کے لیے تمام حضرات بروز جمعۃ المبارک سورۃ کہف کی تلاوت کا اہتمام کریں اور ہر فرض نماز میں سلام پھیرنے سے قبل مسنون دعاء اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَجْعَلُکَ فِیْ نُحُوْرِھِمْ وَنَعُوْذُبِکَ مِنْ شُرُوْرِھِمْ ایک مرتبہ ضرور پڑھیں۔

یا اللہ مدد
گرہمی خواہی کہ گردی در دو عالم ارجمند
دامنا باشی غلام خاندانِ نقشبند
مرشدِ عالم محبوب العارفین
حضرت مولانا پیر غلام حبیب نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ
جاری فرمودہ
جانشینِ مرشدِ عالم حضرۃ مولانا
صاحبزادہ پیر عبدالرحمن قاسمی نقشبندی
زیرِ سرپرستی
جانشینِ مرشدِ عالم
صاحبزادہ پیر عبدالرحیم نقشبندی مجددی مدظلہ العالی
خانقاہ حبیبیہ نقشبندیہ
اور
دارالعلوم حنفیہ چکوال کے
قیام کا 53 واں
روحانی
تربیتی
نقشبندی
سالانہ سہ روزہ
اجتماع مبارک
6
7
8
2004
بروز
بدھ جمعرات جمعہ
اختتامی دُعا
بعد نماز جمعہ
الداعی الی الخیر
برادرانِ اسلام! دُنیوی و رُوحانی زندگی کی تعمیر تزکیۂ نفس
اور تصفیۂ قلب کے لیے اولیاء اللہ کی صحبت اکسیر کا درجہ
رکھتی ہے، زندگی کے ان دنوں کو غنیمت سمجھیں تاکہ
ہماری معاشرتی اور رُوحانی زندگی میں اُسوۂ حسنہ
کے مطابق تبدیلی آئے اور ہم اپنے آپکو سچا مسلمان
ثابت کرکے اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوں اور
روزِ قیامت حضور علیہ السلام کی شفاعت حاصل کرسکیں
تمام برادرانِ طریقت اس موقع سے فائدہ اٹھائیں اور انفرادی و اجتماعی طور پر اس روحانی
تربیتی اجتماع میں شمولیت فرماکر مستفیض ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو (آمین)
صاحبزادہ عبدالقدوس نقشبندی
و
خدام خانقاہ حبیبیہ نقشبندیہ
فون: 51570 (0573)
چکوال
پاکستان

دینی مسائل

﴿ سجدہ سہو کا بیان ﴾

جب کبھی بھولے سے نماز میں کوئی ایسی کمی یا زیادتی ہو جائے جس سے نماز تو نہیں ٹوٹتی لیکن نماز میں نقصان آجاتا ہے اس کی تلافی کے لیے شریعت نے نماز کے آخر میں سلام سے پہلے دو سجدے تجویز کیے ہیں ان دو سجدوں کو سجدہ سہو کہتے ہیں۔

سجدہ سہو کا طریقہ :

سجدہ سہو کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اخیر رکعت میں فقط التحیات پڑھ کر ایک طرف یعنی داہنی طرف سلام پھیر کے دو سجدے کرے۔ پھر بیٹھ کر التحیات اور درُود شریف اور دعا پڑھ کے دونوں طرف سلام پھیرے اور نماز ختم کرے۔

سجدہ سہو کے چند مسائل :

مسئلہ : کسی نے بھول کر سلام پھیرنے سے پہلے ہی سجدہ سہو کر لیا تب بھی ادا ہو گیا اور نماز صحیح ہو گئی۔

مسئلہ : جن چیزوں کو بھول کر کرنے سے سجدہ سہو واجب ہے اگر اُن کو قصداً کرے تو سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا بلکہ نماز پھر سے پڑھے۔ اگر سجدہ سہو کر بھی لیا تب بھی تلافی نہیں ہوتی۔

مسئلہ : اگر نماز میں کئی باتیں ایسی ہو گئیں جن سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے تو ایک ہی سجدہ سب کی طرف سے ہو جائے گا۔ ایک نماز میں دو دفعہ سجدہ سہو نہیں کیا جاتا۔

مسئلہ : سجدہ سہو کرنے کے بعد پھر کوئی ایسی بات ہو گئی جس سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے تو وہی پہلا سجدہ کافی ہے اب پھر سجدہ نہ کرے۔

مسئلہ : نماز میں کچھ بھول ہو گئی تھی جس سے سجدہ سہو واجب تھا لیکن سجدہ سہو کرنا بھول گیا اور دونوں طرف سلام پھیر دیا لیکن ابھی اسی جگہ بیٹھا ہے اور سینہ قبلہ کی طرف سے نہیں پھیرا نہ کسی سے کچھ بولا نہ کوئی اور ایسی بات ہوئی جس سے نماز ٹوٹ جاتی ہے تو اب سجدہ سہو کر لے بلکہ اسی طرح بیٹھے بیٹھے کلمہ اور درود شریف وغیرہ کوئی وظیفہ بھی پڑھنے لگا ہو تب بھی کچھ حرج نہیں۔ اب سجدہ سہو کر لے تو نماز ہو جائے گی۔

مسئلہ : سجدہ سہو واجب تھا اور اس نے قصداً دونوں طرف سلام پھیر دیا اور یہ نیت کی کہ میں سجدہ نہ کروں گا تب بھی جب تک کوئی ایسی بات نہ ہو جس سے نماز جاتی رہتی ہے سجدہ سہو کر لینے کا اختیار ہے۔

سجدہ سہو واجب ہونے نہ ہونے کا ضابطہ :

(۱) نماز میں جتنی چیزیں واجب ہیں اُن میں سے ایک واجب یا کئی واجب اگر بھولے سے رہ جائیں تو سجدہ سہو کرنا واجب ہے اور اس کے کر لینے سے نماز درست ہو جاتی ہے۔ اگر سجدہ سہو نہ کیا تو نماز پھر سے پڑھے۔

(۲) اگر بھولے سے نماز کا کوئی فرض چھوٹ جائے تو سجدہ سہو کرنے سے نماز درست نہیں ہوتی پھر سے پڑھے۔

(۳) جو چیزیں نماز میں نہ فرض ہیں نہ واجب اُن کے بھول کر چھوٹ جانے سے نماز ہو جاتی ہے اور سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا۔

سجدہ سہو کے تفصیلی مواقع :

(۱) نیت باندھنا اور ثناء پڑھنا :

مسئلہ : نیت باندھتے وقت کانوں تک ہاتھ نہیں اُٹھائے تو سجدہ سہو واجب نہیں۔

مسئلہ : نیت باندھنے کے بعد سبحانک اللّٰھم پڑھنا بھول گیا یا سبحانک اللّٰھم کی جگہ دعائے قنوت پڑھنے لگا تو سجدہ سہو واجب نہیں۔

(۲) قراءت کرنا :

مسئلہ : نماز میں فرضوں کی پہلی دو رکعتوں میں الحمد پڑھنا بھول گیا فقط سورت پڑھی یا پہلے سورت پڑھی پھر الحمد پڑھی تو سجدہ سہو کرنا واجب ہے۔ بلکہ اگر سورۃ الحمد کی ایک آیت بھی بھول گیا تو سجدہ سہو واجب ہوگا۔

مسئلہ : فرض کی پہلی دو رکعتوں میں سورت ملانا بھول گیا تو پچھلی دونوں رکعتوں میں سورت ملائے اور سجدہ سہو کرے اور اگر پہلی دو رکعتوں میں سے ایک رکعت میں سورت نہیں ملائی تو پچھلی ایک رکعت میں سورت ملائے اور سجدہ سہو کرے۔ اور اگر پچھلی رکعتوں میں بھی سورت ملانا یاد نہ رہا یعنی نہ پہلی رکعتوں میں سورت ملائی نہ پچھلی رکعتوں میں، بالکل اخیر رکعت میں التحیات پڑھتے وقت یاد آیا کہ دو رکعتوں میں یا ایک رکعت میں سورت نہیں ملائی تب بھی سجدہ سہو کرنے سے نماز ہو جائے گی۔

مسئلہ : سنت اور نفل کی سب رکعتوں میں سورت کا ملانا واجب ہے اس لیے اگر کسی رکعت میں سورت ملانا بھول جائے تو سجدہ سہو کر لے۔

مسئلہ : الحمد پڑھ کر سوچنے لگا کہ کون سی سورت پڑھوں اور اس سوچ بچار میں اتنی دیر لگ گئی کہ جتنی دیر میں تین مرتبہ سبحان اللہ کہہ سکتا ہے تو بھی سجدہ سہو واجب ہے۔

مسئلہ : الحمد پڑھ کے دو سورتیں یا تین سورتیں پڑھ گیا تو کچھ ڈر نہیں اور سجدہ سہو واجب نہیں۔

مسئلہ : فرض نماز میں پچھلی دونوں رکعتوں میں یا ایک رکعت میں سورت ملالی تو سجدہ سہو واجب نہیں۔

مسئلہ : فرض کی دونوں پچھلی رکعتوں میں ایک رکعت میں الحمد پڑھنا بھول گیا اور تین بار سبحان اللہ کہنے کے بقدر چپکا کھڑا رہ کر رکوع میں چلا گیا تو بھی سجدہ سہو واجب نہیں۔

مسئلہ : فرض کی تیسری یا چوتھی رکعت میں اگر الحمد کی جگہ التحیات یا کچھ اور پڑھنے لگا تو بھی سہو کا سجدہ واجب نہیں ہے۔

مسئلہ : اگر آہستہ آواز کی نماز میں کوئی شخص خواہ امام ہو یا منفرد بلند آواز سے قراءت کر جائے یا بلند آواز کی نماز میں امام آہستہ آواز سے قراءت کرے اور اس کی مقدار اتنی ہو جس سے نماز جائز ہوتی ہے یعنی تیس حروف کے بقدر تو اُس کو سجدہ سہو کرنا چاہیے۔ ہاں اگر آہستہ آواز کی نماز میں بہت تھوڑی قراءت بلند آواز سے کی جائے جو نماز صحیح ہونے کے لیے کافی نہ ہو مثلاً دو تین لفظ بلند آواز سے نکل جائیں یا جہری نماز میں امام اسی قدر آہستہ پڑھ دے تو سجدہ سہو لازم نہیں۔

مسئلہ : اگر فرض کی پہلی دو رکعتوں میں سورت ملانے سے پہلے الحمد دوبارہ پوری پڑھے یا آدھی سے زیادہ پڑھے تو سجدہ سہو واجب ہوگا۔

(۳) رکوع کرنا :

مسئلہ : رکوع میں سبحان ربی العظیم نہیں پڑھا یا رکوع سے اُٹھ کر سمع اللہ لمن حمدہ کہنا یاد نہ رہا تو سجدہ سہو واجب نہیں۔

مسئلہ : جب الحمد اور سورت پڑھ چکا، بھولے سے کچھ سوچنے لگا اور رکوع کرنے میں تین بار سبحان اللہ کہنے کے بقدر تاخیر ہوئی تو سجدہ سہو کرنا واجب ہے۔

مسئلہ : اگر بھولے سے دو رکوع کر لیے تو سجدہ سہو کرنا واجب ہے۔

مسئلہ : اگر کسی شخص نے بھول کر قراءت سے پہلے رکوع کر دیا تو اُس کو چاہیے کہ رکوع سے لوٹے اور قراءت کرے اور پھر رکوع کرے اور اخیر میں سجدہ سہو کرے پہلے رکوع کا اعتبار نہیں۔ یہی حکم اُس وقت ہے جب رکوع سے اُٹھنے کے بعد لیکن سجدہ کرنے سے پہلے یاد آجائے کہ قراءت نہیں کی۔

(۴) سجدہ کرنا :

مسئلہ : اگر بھولے سے تین سجدے کر لیے تو سجدہ سہو کرنا واجب ہے۔

مسئلہ : اگر سجدہ میں **سبحان ربی الاعلی** نہیں کہا تو سجدہ سہو کرنا واجب نہیں۔

(۵) تعدیل ارکان :

تعدیل ارکان یعنی رکوع اور سجدہ اور قومہ اور جلسہ میں اطمینان یعنی کم از کم ایک مرتبہ سبحان اللہ کہنے کی مقدار ٹھہرنا واجب ہے۔ اگر بھول کر اس کو چھوڑ دے گا تو سجدہ سہو واجب ہوگا۔

(۶) قعدہ کرنا :

مسئلہ : تین رکعت یا چار رکعت والی نماز میں بیچ میں بیٹھنا بھول گیا اور دو رکعت پڑھ کے تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہو گیا تو اگر نیچے کا آدھا دھڑ ابھی سیدھا نہ ہوا ہو تو بیٹھ جائے اور التحیات پڑھ لے تب کھڑا ہو اور ایسی حالت میں سجدہ سہو کرنا واجب نہیں۔ اگر نیچے کا آدھا دھڑ ابھی سیدھا ہو گیا تو نہ بیٹھے بلکہ کھڑے ہو کر چاروں رکعتیں پڑھ لے فقط اخیر میں بیٹھے اور اس صورت میں سجدہ سہو واجب ہے۔ اگر سیدھا کھڑا ہو جانے کے بعد پھر لوٹ آئے گا اور بیٹھ کر التحیات پڑھے گا تو گناہ گار ہوگا لیکن نماز ہو جائے گی اور سجدہ سہو کرنا بھی واجب ہوگا۔

مسئلہ : اگر ظہر، عصر یا عشاء کی چوتھی رکعت پر بیٹھنا بھول گیا اور نیچے کا دھڑ ابھی سیدھا نہیں ہوا تو بیٹھ جائے اور التحیات اور درود وغیرہ پڑھ کر سلام پھیرے اور سجدہ سہو نہ کرے اور اگر سیدھا کھڑا ہو گیا تب بھی بیٹھ جائے بلکہ اگر الحمد اور سورت بھی پڑھ چکا ہو یا رکوع بھی کر چکا ہو تب بھی بیٹھ جائے اور التحیات پڑھ کے سجدہ سہو کر لے۔ البتہ رکوع کے بعد بھی یاد نہ آیا اور پانچویں رکعت کا سجدہ کر لیا تو فرض نماز پھر سے پڑھے یہ نماز نفل ہو گئی۔ ایک رکعت اور ملا کر پوری کر لے اور سجدہ سہو نہ کرے اور اگر ایک رکعت اور نہیں ملائی اور پانچویں رکعت پر سلام پھیر دیا تو چار رکعتیں نفل ہو گئیں اور ایک رکعت اکارت گئی۔ فجر میں ایسی صورت پیش آگئی تو کل چار رکعت پوری کر لے اور مغرب میں چار رکعتوں کے بعد پانچویں کو نہ ملائے۔

مسئلہ : اگر چوتھی رکعت پر بیٹھا اور التحیات پڑھ کے کھڑا ہو گیا تو سجدہ کرنے سے پہلے جب یاد آئے بیٹھ جائے اور التحیات نہ پڑھے بلکہ بیٹھ کر فوراً سلام پھیر کے سجدہ سہو کرے اور اگر پانچویں رکعت کا سجدہ کر چکا تب یاد آیا تو ایک رکعت اور ملا کر چھ رکعت کر لے، چار فرض ہو گئے اور دو نفل اور چھٹی رکعت پر سجدہ سہو بھی کر لے۔ اگر پانچویں رکعت پر سلام پھیر دیا اور سجدہ سہو کر لیا تو برا کیا، چار فرض ہوئے اور ایک رکعت اکارت گئی۔ عصر کی نماز کا بھی یہی حکم ہے مغرب میں تین کے بعد دو رکعتیں پوری کی جائیں۔

مسئلہ : اگر چار رکعت نفل نماز پڑھی اور بیچ میں بیٹھنا بھول گیا تو جب تک تیسری رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو تب تک یاد آنے پر بیٹھ جانا چاہیے اگر سجدہ کرلیا تو خیر تب بھی نماز ہوگئی اور سجدہ سہو اِن دونوں صورتوں میں واجب ہے۔

(۷) التحیات پڑھنا :

مسئلہ : تین رکعت یا چار رکعت والی فرض نماز میں یا واجب میں یا سنت موکدہ میں جب دو رکعت پر التحیات کے لیے بیٹھا اور دو دفعہ التحیات پڑھ گیا تو سجدہ سہو واجب ہے۔ اگر التحیات کے بعد اتنا درود شریف بھی پڑھ گیا **اللّٰھم صل علی محمد** یا اس سے زیادہ پڑھ گیا تب یاد آیا اور اُٹھ کھڑا ہو تو بھی سجدہ سہو واجب ہے اور اگر اس سے کم پڑھا ہو تو سہو کا سجدہ واجب نہیں۔

مسئلہ : سنت غیر مؤکدہ یا نفل نماز یا منت کی چار رکعت والی نماز میں دو رکعت پر بیٹھ کر التحیات کے ساتھ درود شریف بھی پڑھنا جائز ہے۔ اس لیے کہ نفل میں درود شریف کے پڑھنے سے سہو کا سجدہ نہیں ہوتا البتہ اگر دو دفعہ التحیات پڑھ جائے تو نفل میں بھی سجدہ سہو واجب ہے۔

مسئلہ : التحیات پڑھنے بیٹھا مگر بھولے سے التحیات کی جگہ کچھ اور پڑھ گیا یا الحمد پڑھنے لگا تو سجدہ سہو واجب ہے

مسئلہ : آخری قعدہ میں درود شریف یا دعا نہیں پڑھی صرف تشہد پڑھ کے یوں ہی سلام پھیر دیا تو سجدہ سہو واجب نہیں۔

(۸) سلام پھیرنا :

مسئلہ : چار رکعت والی یا تین رکعت والی نماز میں بھولے سے دو رکعت پر سلام پھیر دیا تو اب اُٹھ کر اس نماز کو پورا کرلے اور سجدہ سہو کرے۔ البتہ اگر سلام پھیرنے کے بعد کوئی ایسی بات ہوگئی جس سے نماز جاتی رہتی ہے تو پھر سے نماز پڑھے۔

مسئلہ : پوری نماز پڑھ کر قعدہ اخیرہ میں تشہد کے بقدر بیٹھا پھر غلطی سے یہ سمجھا کہ ایک رکعت باقی ہے اور کھڑا ہوگیا تو اگر سجدہ سے قبل یاد آجائے تو لوٹ آئے اور اگر سجدہ کے بعد یاد آئے تو ایک اور رکعت ملا کر دو نفل کرلے، دونوں صورتوں میں سجدہ سہو واجب ہے۔

(۹) وتر میں قنوت پڑھنا :

مسئلہ : وتر میں دعائے قنوت پڑھنا بھول گیا۔ سورت پڑھ کے رکوع میں چلا گیا تو سجدہ سہو واجب ہوگا۔

مسئلہ : وتر میں دعائے قنوت کی جگہ **سبحانک اللّٰھم** پڑھ گیا پھر جب یاد آیا تو دعائے قنوت پڑھی تو سجدہ

سہو واجب نہیں۔

مسئلہ : بھولے سے وتر کی پہلی یا دوسری رکعت میں دعائے قنوت پڑھ گیا تو اس کا کچھ اعتبار نہیں، تیسری رکعت میں پھر سے پڑھے اور سجدہ سہو کرے۔

مسئلہ : وتر کی نماز میں شبہہ ہوا کہ نہ معلوم یہ دوسری رکعت ہے یا تیسری رکعت اور اکسی بات کی طرف زیادہ گمان نہیں ہے بلکہ دونوں طرف برابر درجہ کا گمان ہے تو اسی رکعت میں دعائے قنوت پڑھے اور بیٹھ کر التحیات کے بعد کھڑا ہو کر ایک رکعت اور پڑھے اور اس میں بھی دعائے قنوت پڑھے اور اخیر میں سجدہ سہو کرے۔

(۱۰) نماز میں سوچنے لگا :

مسئلہ : اگر پڑھتے پڑھتے درمیان میں رُک گیا اور کچھ سوچنے لگا اور سوچنے میں اتنی دیر لگ گئی جتنی دیر میں تین مرتبہ سبحان اللہ کہہ سکتا ہے یا جب دوسری یا چوتھی رکعت پر التحیات کے لیے بیٹھا تو فوراً التحیات شروع نہیں کی، کچھ سوچنے میں اتنی دیر لگ گئی یا جب رکوع سے اُٹھا تو دیر تک کچھ کھڑا سوچتا رہا یا دونوں سجدوں کے بیچ میں جب بیٹھا تو کچھ سوچنے میں اتنی دیر لگا دی تو اِن سب صورتوں میں سجدہ سہو کرنا واجب ہے۔ غرض کہ جب بھولے سے کسی بات کے کرنے میں دیر کردے یا کسی بات کے سوچنے کی وجہ سے دیر لگ جائے تو سجدہ سہو واجب ہوگا۔

نماز میں شک ہونا :

مسئلہ : اگر نماز میں شک ہوگیا کہ تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار رکعتیں تو اگر یہ شک اتفاق سے ہوگیا ایسا شبہہ پڑنے کی اِس کی عادت نہیں ہے تو پھر سے نماز پڑھے اور اگر شک کرنے کی عادت ہے اور اکثر ایسا شبہہ پڑجاتا ہے تو دل میں سوچ کر دیکھے کہ دل زیادہ کدھر جاتا ہے۔ اگر زیادہ گمان تین رکعت پڑھنے کا ہو تو ایک اور پڑھ لے اور سجدہ سہو کرنا واجب نہیں ہے اور اگر زیادہ گمان یہی ہے کہ میں نے چاروں رکعتیں پڑھ لی ہیں تو اور رکعت نہ پڑھے اور سجدہ سہو بھی نہ کرے اور اگر سوچنے کے بعد بھی دونوں طرف برابر خیال رہے نہ تین رکعت کی طرف زیادہ گمان جاتا ہے اور نہ چار رکعت کی طرف تو تین ہی رکعت سمجھے اور ایک رکعت اور پڑھ لے۔ لیکن اس صورت میں تیسری رکعت پر بھی التحیات پڑھے تب کھڑا ہو کے چوتھی رکعت پڑھے اور سجدہ سہو بھی کرے۔

مسئلہ : اگر یہ شک ہوا کہ پہلی رکعت ہے یا دوسری رکعت تو اس کا بھی یہی حکم ہے لیکن اس میں سب رکعتوں پر بیٹھ کر التحیات پڑھے اور سجدہ سہو کر کے سلام پھیرے۔

مسئلہ : اگر نماز پڑھ چکنے کے بعد یہ شک ہوا کہ نہ معلوم تین رکعتیں پڑھیں یا چار تو اس شک کا کچھ اعتبار نہیں،

نماز ہوگئی۔ البتہ اگر ٹھیک یاد آجائے کہ تین ہی ہوئیں تو پھر کھڑے ہوکر ایک رکعت اور پڑھ لے اور سجدہ سہو کرلے اور اگر پڑھ کے بول پڑا ہو یا کوئی ایسی بات کی جس سے نماز ٹوٹ جاتی ہے تو پھر سے پڑھے۔ اسی طرح اگر التحیات پڑھ چکنے کے بعد یہ شک ہوا تو اس کا بھی یہی حکم ہے کہ جب تک ٹھیک یاد نہ آئے اس کا کچھ اعتبار نہ کرے لیکن اگر کوئی احتیاط کی راہ سے نماز پھر سے پڑھ لے تو اچھا ہے کہ دل کی کھٹک نکل جائے اور شبہ باقی نہ رہے مگر یہ نماز پوری کر کے دوبارہ پڑھے اس نماز کو نہ توڑے۔

مسئلہ : اگر بالکل اخیر رکعت میں التحیات اور درود شریف پڑھنے کے بعد شبہ ہوا کہ میں نے چار رکعتیں پڑھی ہیں یا تین اسی میں خاموش بیٹھا رہا اور سلام پھیرنے میں اتنی دیر لگ گئی جتنی دیر میں تین مرتبہ سبحان اللہ کہہ سکتا ہے پھر یاد آگیا کہ میں نے چار رکعتیں پڑھ لیں تو اس صورت میں سجدہ سہو کرنا واجب ہوگیا۔

امام کے پیچھے سجدہ سہو کے مسائل :

مسئلہ : امام کے سہو سے امام اور مقتدی سب پر سجدہ سہو واجب ہے۔ خواہ مقتدی امام کے سہو سے پہلے جماعت میں شریک ہوا ہو یا امام کے سہو کے بعد شریک ہوا ہو کیونکہ مقتدی پر امام کی اتباع واجب ہے۔

مسئلہ : امام کے پیچھے مقتدی کو خود جو سہو ہو جائے اس پر سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا، نہ سلام سے پہلے نہ سلام کے بعد۔

مسئلہ : مسبوق سجدہ سہو میں امام کی متابعت کرے جس کا طریقہ یہ ہے کہ جب امام سجدہ سہو کے لیے سلام پھیرے تو مسبوق سلام نہ پھیرے بلکہ بدستور قعدہ کی حالت میں بیٹھا رہے اور جب امام سہو کے سجدے کرے تو یہ بھی اُس کے ساتھ سجدے کرے اور امام کے ساتھ تشہد پڑھے، جب امام سلام پھیرے تو اس کے بعد یہ مسبوق اپنی باقی نماز کو پورا کرنے کے لیے کھڑا ہو۔

مسئلہ : جیسے ذکر ہوا جب امام سجدہ سہو کے لیے سلام پھیرے تو مسبوق کے لیے سلام پھیرنا جائز نہیں۔ اگر جان بوجھ کر سلام پھیرے گا تو اُس کی نماز ٹوٹ جائے گی اور اگر جان بوجھ کر نہیں پھیرا بھولے سے پھیر دیا تو نماز نہیں ٹوٹے گی لیکن اگر مسبوق نے امام کے پہلے سلام کے لفظ کے ساتھ ہی اپنے سلام کے لفظ کی ادائیگی کو پورا کیا تو مسبوق پر سجدہ سہو واجب نہیں اور اگر کچھ تاخیر سے کیا جیسا کہ عام طور سے ہوتا ہے تو سجدہ سہو واجب ہوگا۔

مسئلہ : مسبوق نے امام کے ساتھ سجدہ سہو کیا پھر جب اپنی باقی نماز پڑھنے لگا تو اس میں اس کو بھی سہو ہوگیا تو اس کے لیے بھی دوبارہ نماز کے اخیر میں سجدہ سہو کرنا ہوگا۔

مسئلہ : مسافر امام کے پیچھے مقیم مقتدی ہے۔ جب امام نے سلام پھیرا تو مقیم مقتدی اپنی نماز پوری کرنے لگا۔ اسی دوران اس کو سہو ہوا تو وہ نماز کے آخر میں سجدہ سہو کرے گا۔

مسئلہ : لاحق امام کے پیچھے سجدہ سہو نہ کرے بلکہ جب اپنی نماز پوری کرلے اس وقت اخیر میں سجدہ سہو کرے اور اگر لاحق نے امام کے ساتھ سجدہ سہو کرلیا تو اپنی نماز کے اخیر میں سجدہ سہو کا اعادہ کرے۔

مسئلہ : اگر کوئی امام کے ساتھ ایسی حالت میں شریک ہوا کہ امام سہو کا پہلا سجدہ کرچکا تھا تو اس پر پہلا سجدہ نہیں اور اگر امام دونوں سجدے کرچکا تھا تو شریک ہونے والے سے دونوں سجدے ساقط ہیں۔

مسئلہ : جمعہ و عیدین اور کسی اور نماز میں بھی اگر مجمع بہت ہو اور اندیشہ ہو کہ لوگ نہ سمجھنے کی وجہ سے اپنی نماز خراب کرلیں گے تو امام سجدہ سہو ترک کردے۔

جامعہ مدنیہ جدید کے فوری توجہ طلب ترجیحی اُمور

(۱) مسجد حامد کی تکمیل

(۲) طلباء کے لیے دارالاقامہ (ہوسٹل) اور درسگاہیں

(۳) کتب خانہ اور کتابیں

(۴) پانی کی ٹنکی

ثواب جاریہ کے لیے سبقت لینے والوں کے لیے زیادہ اجر ہے (ادارہ)

جامعہ مدنیہ (جدید) و مسجد حامدؒ

کی تعمیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیجئے

بانئ جامعہ حضرت اقدس مولانا سید حامد میاںؒ نے جامعہ مدنیہ کی وسیع پیمانے پر ترقی کے لیے محمد آباد موضع پاجیاں (لاہور رائیونڈ روڈ نزد چوک تبلیغی جلسہ گاہ) پر برلب سڑک جامعہ اور خانقاہ کے لیے تقریبًا چوبیس ایکڑ رقبہ ۱۹۸۱ میں خرید کیا تھا۔

الحمدللہ حضرت اقدس مولانا سید اسعد مدنی دامت برکاتہم العالیہ اور حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے ۷ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ/۱۱ جون ۲۰۰۰ء کو اپنے دستِ مبارک سے ''مسجد حامد'' اور ''جامعہ مدنیہ جدید'' کا سنگِ بنیاد رکھ کر اس کی باقاعدہ تعمیر کا آغاز کر دیا ہے۔ جامعہ اور مسجد کی تکمیل محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی طرف سے توفیق عطا کیے گئے اہل خیر حضرات کی دُعاؤں اور تعاون سے ہوگی۔

اس مبارک کام میں آپ خود بھی خرچ کیجیے اور اپنے عزیز واقارب کو بھی ترغیب دیجیے۔ ایک اندازہ کے مطابق مسجد میں ایک نمازی کی جگہ پر پانچ ہزار روپے لاگت آئے گی۔ حسبِ استطاعت زیادہ سے زیادہ نمازیوں کی جگہ بنوا کر صدقۂ جاریہ کا سامان فرمائیں۔

منجانب

سید محمود میاں مہتمم جامعہ مدنیہ جدید و اراکین اور خدام جامعہ

خطوط، عطیات اور چیک بھیجنے کے پتے

۱۔ سید محمود میاں ''بیت الحمد'' نزد جامعہ مدنیہ کریم پارک راوی روڈ لاہور پاکستان

۲۔ سید محمود میاں ''جامعہ مدنیہ جدید'' محمد آباد موضع پاجیاں رائیونڈ روڈ لاہور پاکستان

فون نمبر : 092 - 42 - 7726702 - 092 - 42 - 7703662

اکاؤنٹ نمبر جامعہ مدنیہ جدید : 7915-0 مسلم کمرشل بینک کریم پارک برانچ لاہور

اکاؤنٹ نمبر مسجد حامد : 1046-1 مسلم کمرشل بینک کریم پارک برانچ لاہور